TIGHT BINGING BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222528

UNIVERSAL
LIBRARY

OUP—731—28-4-81—10,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. Accession No. 19732

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below

آئینہ

الیاس ٹریڈرس
بک سیلرز
شاہ علی بنڈہ روڈ حیدرآباد ۲

حیرتؔ بدایونی

قیمت ۱۵ روپے

سنہ اشاعت اکتوبر ۱۹۷۳ء

تعدادِ اشاعت :- ایک ہزار

کاتب - سلام - عارف - غفار

مطبع - نیشنل فائن پرنٹنگ پریس
چار کمان - حیدرآباد

Checked 1975

طباعت رنگین حاشیہ - انتخاب فوٹو آفسٹ پریس حیدرآباد

19732 ملنے کے پتے ۱۹۷۳۲

حیرت بدایونی ۶۳ معظم پورہ
حیدرآباد ۲

نیشنل بک ڈپو - مچھلی کمان - حیدرآباد
مکتبۂ شعر و حکمت، بازار نور الامراء - حیدرآباد
ادبی ٹرسٹ بک ڈپو، عابد شاپ - حیدرآباد

OSMANIA UNIV. LIBRARY HYDERABAD-7

*

۳۱۵

آئینہ ہے پیشِ خدمت دیکھئے
اس میں اپنی اپنی صورت دیکھئے

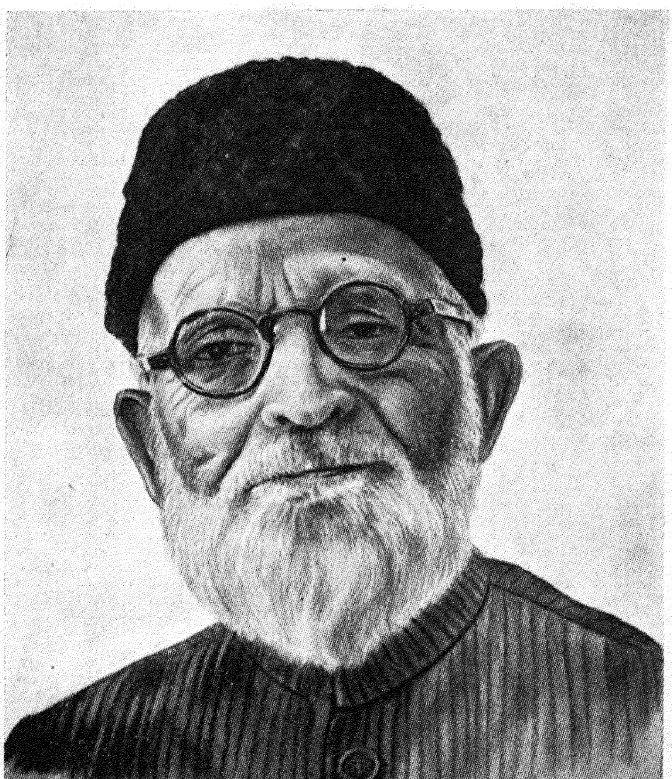

مجھے دیکھو، کہ میں آئینۂ حُسن و محبّت ہوں ٭ سَراپا حیرتِ تصویر ہوں، تصویرِ حیرت ہوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

★

اللہ کی حمد اور اللہ کے حبیب اور ان کے
آل و اصحاب پر کروروں درود صلوٰۃ و سلام
کے بعد

انتساب

میں اس مجموعے کو اپنے والدین کے
پاک قدموں سے منسوب کرتا
ہوں
جن کے نیچے میری
جنت ہے

★

حیرت بدایونی

★

میں اور میری شاعری

دُنیا میں لوگ زہر کو اُمرت کہا کریں
میں جھوٹی بات کیوں کہوں حق بات کے سوا
یہ شاعری بھی ایک فروغِ دروغ ہے
کچھ بھی نہیں ہے اس میں خرافات کے سوا

مجھ سے زیادہ مجھے کون جانتا ہے۔ اس لئے میں کیوں کسی کو اپنے تعارف کی زحمت دوں۔ محبت کرنے والوں سے مبالغہ آمیز اپنی تعریف لکھوانا میری فطرت کے خلاف ہے۔ شخصی طور پر اور شاعرانہ جہت سے جو کچھ اور جیسا کچھ ہوں، موجود ہوں، مجھے دیکھئے اور کلام پڑھئے۔ ہر آدمی اپنی ایک انفرادی ذہنیت رکھتا ہے۔ بعض نگاہوں کو مجھ میں اور میرے کلام میں وہ خوبیاں بھی نظر آئیں گی جو نہ مجھ میں ہیں اور نہ کلام میں۔ یونہی بعض کو وہ خامیاں بھی نظر آئیں گی جو نہ مجھ میں ہیں اور نہ کلام میں۔

یہ تو اپنی اپنی نگاہ ہے یہ تو اپنا اپنا خیال ہے

میں ۱۵ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو دن کے ساڑھے دس بجے پیدا ہوا

والد کا نام محمد حسن اور والدہ کا نام افضل النساء رحمہا اللہ۔ دادا محمد عظمت علی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے بڑے فرزند کی اولاد تھے۔ اور نانا عزیز الدین حضرت ابوبکرؓ کے دوسرے فرزند کی اولاد سے تھے، لہٰذا میں طرفینی صدیقی ہوں۔ شہنشاہ عالمگیر کے دربار میں ایک عالم تھے، قاضی محمد جلیس، شہنشاہ نے فتاویٰ عالمگیری بھی اُن سے مرتب کروائی تھی۔ ہمارا خاندان قاضی محمد جلیس کی اولاد ہے۔ اور آج بھی شہر میں ہم قاضی زادے کہلاتے ہیں اور محلہ کا نام بھی قاضی محلہ آج تک مشہور ہے۔

دادا مرحوم کے زمانے تک گھر میں منصف اور صدر اعلیٰ کا عہدہ اور زمینداری بھی رہی مگر والد مرحوم کے زمانے میں کچھ بھی نہ رہا۔ زمینداریاں جائدادیں، ملک املاک یکے بعد دیگرے فروخت ہوتے رہے مگر ٹھاٹھ سے عیش کرتے رہے۔

چھوٹی موٹی ملازمت کرنا والد کی شان کے خلاف تھا اور کوئی بڑا عہدہ انگریز نے دیا نہیں۔ میرے بچپن نے گھر کا عروج بھی دیکھا تھا اور نوجوانی نے زوال بھی دیکھا۔ حالات کے پیشِ نظر میں نے عربی ادب کی تعلیم پسند کی۔ پڑھتا بھی رہا اور پڑھاتا بھی رہا۔ اٹاوہ، بدایوں، کانپور کے ہائی اسکولوں میں مدرس رہا۔ خلافتِ تحریک زوروں پر تھی۔ میری غیر ذمہ دارانہ تقریروں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں گرفتار ہونے سے قبل ہی راہِ فرار اختیار کروں۔ راتوں

رات شہر سے غائب ہوگیا۔ ایک ہفتہ بعد شہر والوں کو معلوم ہوا کہ میں حیدرآباد میں خیریت سے ہوں۔ دسمبر ۱۹۲۲ء میں آیا اور جنوری ۱۹۲۳ء میں حلف نامہ داخل کرکے ملکی صداقت نامہ لیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرا ایمان سلامت ہے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن، پچاس برس بیت گئے۔ میں اپنے عہد پر قائم ہوں۔

اب بدایون پردیس ہے اور حیدرآباد میرا دیس۔ اب رہی شاعری سو پشت ہا پشت سے شاعری گھر میں تھی۔ دادا تھے منصف عظمت علی ضیا، والد تھے محمد حسن اثر، چچا تھے محمد حسین سحر، بھائی تھے محمد محسن محسن، چھوٹا بھائی تھا، سلطان حسن اثر مگر عربی فارسی شاعری نے میرا دماغ خراب کردیا تھا اور میں دہلوی و لکھنوی دونوں مکاتیب خیال کی تنگ نظری کو پسند نہیں کرتا تھا البتہ محاسن شعری کی ضرور داد دیتا تھا۔ کسی کو استاد بنانا میرے غرورِ نفس اور فریبِ خیال کے خلاف تھا۔ میں بڑے بڑے مشاعروں میں بھی مشہور و معروف شعرا کو بھی ٹوک دیتا تھا۔ ایک شادی میں شہر کی برادری کے بزرگ شاعر سہرا سنا رہے تھے جو غالب کی زمین میں تھا۔ ایک مصرع تھا۔ "سلکِ جواہر سہرا" میں بد تمیزی سے بول اٹھا۔ جواہر بالکل نیا قافیہ ہے۔ مکرر ارشاد۔ بھری محفل میں وہ تو شرمندہ ہوکر رہ گئے مگر بزرگوں نے میری بھی خوب اچھی طرح مرمت بنا دی۔ یہ میری نوجوانی

کا چھچھورا پن تھا کہ علم کے عزت میں بڑی سے بڑی شخصیت کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ مختصر یہ کہ مجھے ایک خود رو قسم کا شاعر سمجھ لیجئے۔ نہ استاد نہ شاگرد۔ میں نے داغ، ذوق، امیر، غالب، میر تقی میر اور بہت سے شعرا کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں اور کوشش کی ہے کہ انھیں کے مخصوص رنگ، زبان، تصورات غزل میں لائے جائیں۔ اس لئے میں کسی ایک اسلوب سخن کا پابند نہیں ہوں۔ مثلاً ایسی غزلیں بھی ہیں جن میں عطف و اضافت نہیں، اردو کے ٹھیٹ محاورے اور روزمرہ کی زبان ہے۔ یعنی شعر کا شعر اور نثر کی نثر۔ اس کے بالکل برعکس ایسی بھی غزلیات ہیں جن کے مصرعوں کے اجزا میں بھی تسجیع و ترصیع کا التزام برقرار رکھا گیا ہے اور پوری غزل کو محاسن صوری و معنوی اور صنایع بدایع سے آراستہ کیا گیا ہے۔ تشبیہیں، مراعات النظیر، حسن تعلیل، تقابل وغیرہ سے سجایا گیا ہے۔ اس لئے ہر رنگ میں میرا کلام ہے اور کوئی رنگ میرا مخصوص رنگ نہیں ہے۔ ایجادی طرحوں پر بھی کلام ہے اور مشاعروں کی طرحوں پر بھی غزلیات ہیں۔ میں جس مشہور و معروف شاعر کی غزل پر غزل کہتا ہوں تو اکثر اسی کے دماغ اور زبان سے کہنے کی کوشش کرتا ہوں۔

رواج عام ہو جانے سے میں کسی غلط محاورے یا لفظ کو صحیح یا جائز سمجھنے کا قائل نہیں ہوں۔ اس ذہنیت کی تائید سے اردو کا ستیاناس

ہو جائے گا۔ گناہ اور غلطی کتنی ہی عام طور پر رواج پا جائے، مگر گناہ گناہ اور غلطی غلطی ہی رہے گی۔

اکثر لوگوں کو ایک فقرہ یاد ہو گیا ہے۔ غلط العام فصیح اور غلط العوام فصیح میں اس کو ایک دھوکہ سمجھتا ہوں۔ عام اور عوام میں کوئی فرق نہیں غلطی عوام کی ہو یا خواص کی وہ غلطی ہی رہے گی اور غلطی ہی کہلائے گی۔

میں نے اس مجموعے کے قارئین اور قدر دانوں کے لئے اپنی غزلوں کی بحروں کے نام اوزان بھی لکھدیئے ہیں۔ کیونکہ میرا اقدام افادیت سے خالی نہیں ہے۔ جو لوگ موزوں طبع ہیں مگر فن سے ناواقف ہیں بہرحال ان کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ اور اس طرح عروض نہ جاننے والے شعرا میں بھی حصول فن کا رجحان پیدا ہوگا۔ الغرض آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ میں شعر و سخن کے باب میں بھی کتنا پھرا ہوں ہاں لیجئے ایک ضروری بات تو رہ گئی یعنی یہ کہ ساری عمر گزر جانے کے بعد اب لگ بھگ اسی کے لپیٹ میں جب میں آ گیا ہوں تو اس آخری وقت میں مجموعہ شائع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شروع سے ہی میرا ارادہ دیوان مرتب کر کے شائع کرنے کا نہیں تھا مگر میر عابد علی خاں صاحب مدیر سیاست نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں پرزے، پرچے اچھوٹی موٹی کاپیاں گھر میں تلاش کر کے جمع کر دوں اور ان سے مجموعہ مرتب کروں۔ جبراً قہراً نہایت تکلیف دہ کام مجھے کرنا پڑا۔ سر دست جو کچھ مل سکا ہے وہ حاضر ہے۔ البتہ عربی شاعری

فارسی کلام اور اردو کی

رباعیاں

قطعے

نظمیں، نیز دیگر منظومات یعنی

سیاسی

قومی

اور اصلاحی منظومات الگ ہیں۔

اِس مجموعے میں صرف غزلیں ہیں۔

اب یہیں پر میں اِس تعارف کو ختم کرتا ہوں کیونکہ شیخیاں بگھارنا اور اپنے منہ میاں مٹھو بننا بہر حال ایک ناپسندیدہ بات ہے۔ اللہ بس، باقی ہوس

۱۰۸، معظم پورہ، حیدر آباد
فون- 38383

سید حسن حیرت بدایونی

میری غزلوں کی بحریں

مثمن: وہ بحر جس کے شعر میں آٹھ ارکان ہوں۔ جیسے فعولن چار بار ایک مصرعے میں اور چار بار دوسرے مصرعے میں جملہ آٹھ بار۔

مُسدس: وہ بحر جس کے ہر شعر میں چھ بار رُکن کو لایا جائے جیسے فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ؛ تین ارکان پہلے مصرع میں اور تین دوسرے میں ، جملہ چھ۔

مکرّر: وہ بحر جس کے ہر مصرع میں آٹھ رکن اور پورے شعر میں سولہ ارکان ہوں۔

سالم: وہ بحر جس میں ہر رکن پورا باقی ہو۔ جیسے مفاعیلن فعولن۔ ہر مصرع میں پورے سالم باقی رہیں۔

مُزاحف: وہ بحر جس میں پورا رکن باقی نہ رہے بلکہ رکن میں زحاف یعنی تبدیلی حرف کی کمی آجائے، جیسے: مفاعیلن مفاعیلن

(مفاعی) کی بجائے فعولن یعنی تیسرے رکن میں کمی آ گئی

یا جیسے : فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن (فاعلن)

چوتھے رکن میں کمی آ گئی۔ یا جیسے فاعلاتن فعلاتن فعلاتن

فعلن۔

مختصر یہ کہ سالم وزن کے حروف میں تغیر یا کمی کو زحاف

کہتے ہیں اور جس بحر کے چند اوزان یا کسی ایک وزن میں

کچھ کمی آ جائے اُس بحر کو مُزاحف کہتے ہیں۔

بحر ہزج مثمن سالم : مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بحر ہزج مزاحف مثمن : مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

بحر متقارب سالم مثمن : فعولن فعولن فعولن فعولن

بحر متقارب مُزاحف مکرر : فعول فعلن فعول فعلن
فعول فعلن فعول فعلن

بحر متقارب سالم مکرر : فعولن فعولن فعولن فعولن
فعولن فعولن فعولن فعولن

بحر متدارک سالم مثمن : فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن

بحر متدارک سالم مکرر: فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن
فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن

بحر متدارک مزاحف مکرر: (۱) فعلن فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن فع
(۲) فعلن فعلن فاع فعولن
فعلن فعلن فعلن فع
(۳) فاع فعولن فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع

بحر رمل مثمن مزاحف: فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان
فعلاتن فعلاتن فعلن
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

بحر مضارع مزاحف مثمن: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن
" " " فاعلات

بحرِ مجتث مثمن: مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

بحرِ مقتضب: فاعلات مفعولن فاعلات مفعولن

بحرِ خفیف مسدس سالم: فاعلاتن مفاعلن فعلن

بحرِ رجز مثمن مزاحف: مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

بحرِ کامل سالم: مثمن متفاعلن پورے شعر میں آٹھ مرتبہ

ترتیب

الف	صفحہ نمبر
اگر ساقی تسلّی بخش سمجھوتہ نہیں ہوتا	۱
خدا معلوم حیرت اور کیا فتنے بپا کرتا	۳
درد جاناں نظر نہیں آتا	۴
دین و دل و جاں عشق میں کیا کیا نہیں جاتا	۵
عشق نے جب مرے جذبات کا رُخ موڑ دیا	۶
تم نے تو اور بھی مجھے مشکل بنا دیا	۸
آج اِس جلوہ گہِ اوج پہ ہے فن میرا	۹
وہ شباب وہ جوش وہ دِل نہ رہا	۱۰
بے چارہ، چارہ ساز تو غافل نہیں رہا	۱۲
دو گھونٹ کا بھی جو متحمل نہیں رہا	۱۴
جمالِ یار کی کوئی بھی تاب لا نہ سکا	۱۶
جب محوِ دید، دیدۂ حیراں نہ ہو سکا	۱۷
سوزِ محبت نے چمکا دی دل کی قسمت کیا کہنا	۱۹
مِرا دل دیکھتے ہیں چارہ گر کیا	۲۰
آگے ایسا زور نہیں تھا آفت کے پرکالوں کا	۲۱
نکل آئیں گے میری آنکھوں سے آنسو اگر مسکرانے کی کوشش کروں گا	۲۳
دیارِ محبت میں جلتے ہو جاؤ یہاں سے بہت دور جانا پڑے گا	۲۵
یہ کون خسروانہ آن بان لے کے آ گیا	۲۶
آج یہ کون انجمن میں جلوہ فرما ہو گیا	۲۸
دیکھتے پھر نہ ہمیں پائیے گا	۲۹
جب ذرا پردہ اُٹھا کچھ رُوئے گُل پیکر کھلا	۳۰
کسی نے دل کو ادائیں دکھا کے لُوٹ لیا	۳۲
نہ یہ زمیں ہے اپنی نہ آسماں اپنا	۳۳
نہ کیوں ہو رنگِ تغزّل بھی گُل فشاں اپنا	۳۵
میری جانب وہ کسی کا نگراں ہو جانا	۳۷
پھرتا ہوں نظر میں لیئے بازارِ تمنّا	۳۸
آدمی ہے دُنیا کا جب کہ حکمراں تنہا	۳۹

ب	صفحہ نمبر
رہ نوردی ہے مری طے مراحل کے قریب	۴۰
پ	
حُسن و شباب، رنگ کا اِک ماحصل ہیں آپ	۴۱
ت	
ہائے وہ پہلے پہل اُن سے ملاقات کی رات	۴۳
چلتا ہے دورِ بادہ و ساغر تمام رات	۴۵
ج	
عید آئی ہے دے پیرِ مغاں آتشِ تر آج	۴۶
ر	
رکھتے ہو خیال اور ہی دیتے ہوں بیاں اور	۴۸
ہاں جوش میں آ، رنگ دکھا، طبعِ رواں اور	۵۰
دل ان کو دیکھتا ہے نظارا کیئے بغیر	۵۲
میرا کلام حُسن و عشق ہے جو غزل کے طور پہ	۵۴
خانۂ ویراں میں مرغانِ بے بال و پَر	۵۶
دیکھ ہر وقت آئینہ دیکھا نہ کر	۵۷
حیران رہ گیا ترے انوار دیکھ کر	۵۸
نظر اور وہ بھی ان کی ایک اچھی سی نظر ہو کر	۵۹
ک	
جاری فریبِ وعدۂ فردا ہے آج تک	۶۱
خودی کو دولت کی برتری پر کیا کریں ہم نثار کب تک	۶۳
گ	
اب جو منجملۂ صاحب نظراں ہیں کچھ لوگ	۶۵
ل	
رُلا کر مجھے مُسکرانے سے حاصل	۶۷
م	
اب ماورا ہیں وہم و قیاس و گماں سے ہم	۶۸
اب دل کسی ظالم سے لگانے کے نہیں ہم	۷۰
وہ بھی کیا دن تھے نہ تھے جب شمع تم پروانہ ہم	۷۱

قفس میں خوار ہیں بیکار ہیں ناچار ہیں ہم ۷۳

چمن میں پھر سے نئی آب و تاب لائیں گے ہم ۷۵

ن

ہائے کیا چیز ہیں نوجوانی کے دن ۷۷

یہ کس کے حسن کی پھیلی ہوئی ہے ضو دل میں ۷۸

شور برپا ہے دیاروں میں بیابانوں میں ۷۹

مرے آنے کی حیرت دھوم ہے یاروں کی محفل میں ۸۰

اپنی سی نہ کی کوئی کمی ہم نے دوا میں ۸۱

جب حیات و موت کو باہم ملا لیتا ہوں میں ۸۲

ضد پہ آجاؤں تو دنیا کو مٹا سکتا ہوں میں ۸۴

تیر پہ تیر کھا رہا ہوں میں ۸۵

بن کے حیرت انکی آنکھوں میں سما جاتا ہوں میں ۸۶

دورانِ سفر میں ہیں رہرو ۸۸

پیتے ہیں محتسب بھی ۹۰

تم پہ میرا کوئی حق بھی نہیں ۹۲

متزلزل ایک زمانہ ہے ۹۴

مانا کہ ہنستے ہیں لیکن ۹۶

یوں دل میں جاگزیں ہیں ۹۷

حیرت جمالِ یار کے جلوے ۹۹

وہ پھر بن ٹھن کے آج آئے ہیں ۱۰۱

پھیلا تو دے ہیں زہر ۱۰۳

وہی ہم وہی غم کی تنہائیاں ہیں ۱۰۴

بام و در خون میں نہاتے ہیں ۱۰۵

مجھ سے ملنے سے وہ انکار تو کیا کرتے ہیں ۱۰۶

سنو تم تو دل کے فسانے بہت ہیں ۱۰۸

وہ بھی دو چار اب ان کی نگاہوں کی زد سے ہیں ۱۱۰

نقش رہ ہو گیا تو نظر پھر نظر کہاں ۱۱۲

آج ممنوع ہے شراب کہاں ۱۱۳

تجھے آپ میں دیکھنا چاہتا ہوں ۱۱۴

جلوۂ یار سے معمور ہوا جاتا ہوں ۱۱۵

یہ جلوہ [illegible] کے پردے اٹھاؤ تو جانیں ۱۱۶

کرتے نہیں وہ مجھ سے کوئی بات کیا کروں ۱۱۷

اتریں جو آسماں سے بلائیں تو کیا کریں ۱۱۸

حیرت چلو پھر ان کا سچ جھوٹ آزمائیں ۱۱۹

و

للہ غمِ عشق کا احساس مٹا دو ۱۲۱

مرا جذبۂ شعر خوانی تو دیکھو ۱۲۳

ایک جانب سے پیرِ حرم دوستو ۱۲۵

حسینوں کی الفت سے ہے دھوکہ نہ کھانا ۱۲۷

ہ

چمن اور ان کے قدم اللہ اللہ ۱۲۸

جاتے نہیں جب جان و دل و شادی و غم ساتھ ۱۳۰

شبِ تیرہ کے ساتھ ہی ختم ہوا ۱۳۱

آپے سے نہ باہر ہوں جناب اور زیادہ ۱۳۱

ی

کسی سے بھی بلندی عشق کی جانی نہیں جاتی ۱۳۵

اگر تنظیم صیادوں کے ہاتھوں میں نہیں ہوتی ۱۳۷

بے خبر تھا کہ محبت کیا تھی ۱۳۹

ٹھوکر ستم ایجاد نے میت پہ لگا دی ۱۴۰

ابھی قضا تو ابھی زندگی نظر آئی ۱۴۲

مہلتِ عرضِ تمنا وجہ رسوائی ہوئی ۱۴۴

یہی کیا اقتضائے موسمِ گل ریز ہے ساقی ۱۴۵

آج وہ چیز نگاہوں سے پلا دے ساقی ۱۴۷

بہا دے آج خونِ برق کی جو ہے رواں ساقی ۱۴۹

خبر سنی جو قفس میں بہار آنے کی ۱۵۲

دل کو مرے دیکھا نہ محبت پہ نظر کی ۱۵۳

ہم نے اپنے شوق سے دنیائے دل ناشاد کی ۱۵۴

کسی نے پھیر نگاہِ ناز بدلی ۱۵۶

شام سے صبح ہوگئی صبح سے شام ہوگئی ۱۶۰

شباب کو جو گناہوں کی ایک رات ملی ہے ۱۶۱

اب برقِ جہاں سوزی ۱۶۳

آج وہ نغمہ نوا سنجِ خوش الحاں ہو جائے ۱۶۵

بہار آئی گلستاں پہ شباب ۱۶۷

یوں نیاز و ناز کا جھگڑا ۱۶۸
دیوانے کو اس رنگ کا دیوانہ ۱۷۰
وہ ۱۷۱
آج خود بخود پردے اُٹھ گئے ۱۷۳
آدمی بچے کیوں کر ۱۷۵
میں خود ہوں اِک سمندر ۱۷۷
پھر وہی درد ہے وہی دل ہے ۱۷۸
ختم کسی طرح تو ہوں ۱۷۹
اُٹھا رہے ہیں وہ حشر پہ حشر ۱۸۰
ابتدا ہی میں جب اِنتہا کھینچے ۱۸۲
دل نہ دیکھا سُوئے عرش ولامکاں ۱۸۳
حیرت اگر یہی ہیں کرشمے ۱۸۵
جو کچھ دکھائے گردشِ ایام ۱۸۷
انقلابات آتے ہیں آتے رہیں ۱۸۸
شب بھر رہی اُفق پہ نظر ۱۹۰
پینے آئے تھے ہم میکدے میں ۱۹۲
مُمکن نہیں کہ پھر کبھی اس کی خبر ملے ۱۹۳
ہم سمجھتے تھے کہیں عرش پہ ۱۹۵
چینِ ابرو ہے اگر غمزہ ۱۹۷
ہو بھی چکے ہم ان کی نگاہوں کے حوالے ۱۹۹
جُنوں سے دشت و جبل تک ۲۰۰
حرم کے بدلے دیا ہے ۲۰۱
میکدے میں لائی ہے کالی گھٹا ۲۰۳
آیا ہوں میں نوشتہ قسمت ۲۰۵
جلوہ خود مانعِ جلوہ ۲۰۷
مبارک ہو اے دل محبت کی دنیا ۲۰۹
یہ میں کدھر چل پڑا ہوں یارب ۲۱۱
کسی کی آنکھ جو ڈوبی ہوئی شراب میں ہے ۲۱۲
طے بھی کر لو راہیو ۲۱۴
دل کشی ہی دل کشی ۲۱۶
یہ جلوے کا پردہ ہے ۲۱۸
حیرت جو ریا کاری میں بدنام ۲۱۹
تسخیر میں زمین بھی ہے ۲۲۱
اِک مہ جبیں کے ہاتھ میں ۲۲۲
وہ شعرِ دل نشیں جو ۲۲۳
وہ قاتل ہے مگر صورت ۲۲۵
نہیں قابو میں رہتا دل ۲۲۶
جوانی رفتہ رفتہ ۲۲۸
وہی تو حاصلِ صد روزگار رگذری ہے ۲۳۰
نظر ہے محوِ ساقی ۲۳۲
محبت کے سوا کونین کی ہر چیز ۲۳۳
پھول پھول ہنستا ہے ۲۳۵
پردے میں حسنِ یار نہیں ہے ۲۳۶
اَدا اَدا نفس نفس ۲۳۸
نئے فتنے اُٹھاتے ۲۴۰
آنکھوں میں کشش ۲۴۱
ناؤ ڈوبی قریب ساحل کے ۲۴۲
میری آنکھوں میں کہاں ۲۴۳
کہیں آئینے بھی قربان ہو جائیں ۲۴۴
کہاں اب وہ رنگیں زمانے ۲۴۵
دل کا نہ کرو ذکر ۲۴۷
بُلبلوں کو باغ میں آزاد ۲۴۸
حریمِ ناز کی چلمن ۲۵۰
مُدتوں حُسن کے جلووں نے ۲۵۱
ایسے رکوع و سجدہ کو ۲۵۳
وہ قاتل ہے مگر صورت ۲۵۴
اُدھر پیچیدہ اُن کی زُلف ۲۵۶
اِک بجلی سی گر جاتی ہے ۲۵۷

غزلیں ۲۵۸ تا ۲۸۰

(۱)

اگر ساقی تسلّی بخش سمجھوتا نہیں ہوتا
تو پھر تشنہ لبوں کا جوش بھی ٹھنڈا نہیں ہوتا

جو خود مختارِ گلشن ہیں وہاں ایسا نہیں ہوتا
عنادِل کی فغاں و آہ پر پہرا نہیں ہوتا

وفاداری کے دستور العمل ہی کو بدل ڈالے
محبّت میں کسی کم بخت سے اتنا نہیں ہوتا

وفورِ عیش سے ہر چند مالا مال ہے لیکن
شعورِ عاشقی انسان میں پیدا نہیں ہوتا

جب آتا ہے تو پھر طوفان پر طوفان آتا ہے
نہیں ہوتا تو برسوں فتنہ بھی برپا نہیں ہوتا

غمِ دل سے گراں تر ہے غمِ دنیا و ما فیہا
یہ غم پیدا کیا جاتا ہے خود پیدا نہیں ہوتا

تمہیں انصاف سے کہہ دو مسیحا ہو کہ قاتل ہو
کہ ہر بیمار ۔ مر جاتا تو ہے اچھا نہیں ہوتا

چمن میں شب پر و زاغ و زغن سے باغبانوں کا
جو کچھ برتاؤ ہوتا ہے وہ کچھ بیجا نہیں ہوتا

غموں کی کوئی حد بھی ہے کہاں تک سختیاں جھیلے
کسی کا دل ہو۔ دل ہوتا ہے، پتھر کا نہیں ہوتا

یہاں تفریق شیخ و برہمن اچھی نہیں ساقی
یہاں کوئی کسی کے خون کا پیاسا نہیں ہوتا

وہ بھی اک پردہ تھا حیرت جسے تم جلوہ سمجھے ہو
جو آنکھوں کو نظر آجائے وہ جلوا نہیں ہوتا

بحر ہزج سالم مثمن

(۲)

خدا معلوم حیدؔر اور کیا فتنے بپا کرتا
نہ پینے پر یہ عالم ہے اگر پیتا تو کیا کرتا

بڑھاپے نے کمر ہی توڑ دی میری جوانی کی
مجھے کرنی پڑی توبہ نہ کرتا میں تو کیا کرتا

ستم کی کوئی حد بھی ہے یہ دنیا کا ہے کو رہتی
اگر ایسا غضب اندھیر دنیا میں ہوا کرتا

•

بحر ھزج سالم مثمن

(۳)

درد جاتا نظر نہیں آتا
چین آتا نظر نہیں آتا

موسمِ گُل میں ایک غنچہ بھی
مُسکراتا نظر نہیں آتا

اب دوبارہ وہ حُسن رہگزر سے
نظر آتا نظر نہیں آتا

اُس نے وعدہ کیا ہے آنے کا
لیکن آتا نظر نہیں آتا

ساری دنیا پہ وجد طاری ہے
کوئی گاتا نظر نہیں آتا

ذکر چھوڑو شباب کا حیرتؔ
واپس آتا نظر نہیں آتا

●

(۴)

دین و دل و جاں عشق میں کیا کیا نہیں جاتا
اک درد ہے ظالم، نہیں جاتا نہیں جاتا

خود اپنی اداؤں پہ اُنھیں آنے لگی شرم
لو، اُن سے اب آئینہ بھی دیکھا نہیں جاتا

اِس قُرب پہ، یہ پردہ ہے، اللہ رے تری شرم
دل میں ہے مگر آنکھ سے دیکھا نہیں جاتا

وہ کیا مری قسمت کے نکالیں گے بھلا پیچ
جن سے خمِ گیسو بھی نکالا نہیں جاتا

حیرت ہوں کہ رہتا ہوں لگا ہوں میں تمہاری
کچھ راز نہیں ہوں میں، کہ سمجھا نہیں جاتا

۵

عشق نے جب مرے جذبات کا رُخ موڑ دیا
میں نے دنیا کی مہمات کا رُخ موڑ دیا

ہیں کچھ ایسے بھی ترے بادہ کشوں میں ساقی
پی کے لہرائے تو خطرات کا رُخ موڑ دیا

جلوۂ رُو سے کبھی پردۂ گیسو سے کبھی
دن کا منھ پھیر دیا رات کا رُخ موڑ دیا

یہ ہمیں اہل جنوں ہیں جو ذرا چونک اٹھے
آن کی آن میں حالات کا رُخ موڑ دیا

تیری مخمور نظر دیکھ کے خود ساقی نے
تیری جانب ہی خرابات کا رُخ موڑ دیا

ہم فقیروں نے لگایا جو کبھی نعرۂ ہو!
پی کے لہرائے تو خطرات کا رُخ موڑ دیا

ہم تو ساقی بھی بدل دیں گے اگر ساقی نے
بزمِ رنداں کی روایات کا رُخ موڑ دیا

ہم وہی پیکر خاکی ہیں کہ اکثر ہم نے
گردشِ ارض و سماوات کا رُخ موڑ دیا

کاکلِ یار نے گھنگھور گھٹائیں تو کچا
پوری برسات کی برسات کا رُخ موڑ دیا

کس نے اک جلوہ سرِ راہ دکھا کر حیرتؔ
میرے دل میرے خیالات کا رُخ موڑ دیا

●

HYDERABAD-1

تم نے تو اور بھی مجھے مشکل بنا دیا
موضوعِ صد ہزار مسائل بنا دیا

رحمت نے تیری بخشش کے لذت گناہ میں
مجھ کو گناہ کرنے کے قابل بنا دیا

پھر بھی الوہیت کی کمی مجھ میں رہ گئی
ویسے تو ہر لحاظ سے کامل بنا دیا

تم نے تو کر دیا تھا دلِ ناتواں کو درد
ہم نے تمہارے درد کو پھر دل بنا دیا

ہم کو حقیقتوں پہ بہت ناز تھا مگر
سب کو تری نگاہ نے باطل بنا دیا

بسمل سمجھ رہے تھے کہ ہم جی اٹھیں گے پھر
اور تم نے دوسروں کو بھی بسمل بنا دیا

ایسا بھی اک چمن ہے کہ جس کی بہار نے
کنجشک و زاغ کو بھی عنادل بنا دیا

تحریک اتحاد نے حیرت عوام کو
یک رنگ و یک تصور و یک دل بنا دیا

(۷)

آج اس جلوہ گہ اوج پہ ہے فن میرا
کہ جھلکتا ہے سخن میں دلِ روشن میرا

نہ گل و برگ نہ غنچے نہ نشیمن میرا
اور دنیا کو یقیں ہے کہ ہے گلشن میرا

کرلیا منقسم آپس میں نشیمن میرا
لوٹ کر لے گئے گھر شیخ و برہمن میرا

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کسے کیا سمجھوں
کون رہبر ہے مرا کون ہے رہزن میرا

دل کہ پالا تھا جسے خونِ جگر سے میں نے
بن گیا اُن کی نظر پاتے ہی دشمن میرا

جبرِ عصمت سے ابھی تک تو رہا ہے بیداغ
چھو نہ لے کوئی فرشتہ کہیں دامن میرا

حیرتِ آئینۂ رُخ، کوئی مجھ سے پوچھے
یہ وہ عالم ہے، کہ ہے لفظاً و معناً میرا

٨

وہ شباب وہ جوش وہ دل نہ رہا وہ تڑپ نہ رہی وہ مزہ نہ رہا
تری آنکھ میں قدرِ وفا نہ رہی مرے دل میں مذاقِ جفا نہ رہا
وہ امنگ نہیں وہ ترنگ نہیں وہ نکھار وہ روپ وہ رنگ نہیں
نہ وہ تم ہی رہے نہ وہ ہم ہی رہے نہ وہ عمر رہی نہ زمانہ رہا
تری خلوتِ ناز وہ رشکِ ارم نہ رہے جسے دیکھ کے آپ میں ہم
من و تو کا ملاپ ہوا جو بہم من و تو میں وہ فرق جو تھا نہ رہا
وہ حیا و حجاب سے بے خبری کبھی پردہ دری کبھی جلوہ گری
کوئی جلوہ نہ تھا جو عیاں نہ ہوا کوئی پردہ نہ تھا جو اٹھا نہ رہا

کوئی آہ بہ دِل کوئی واہ بلب کوئی مست غزل کوئی محوِ طرب
مرے کیف کلام میں کھو گئے سب مرے شعر سے کوئی بچا نہ رہا

تری دُھن میں گیا ہوں وہاں کہ جہاں نہ غمِ دل و جاں نہ غمِ دو جہاں
کوئی دُھن تری دُھن کے سوا، نہ رہی کوئی غم ترے غم کے سوا نہ رہا

مجھے سمجھئے حیرتِ موجِ نظر مجھے جانیئے جلوۂ برق و شرر
میں ہوں بزم میں ایک چراغِ سحر مرا ٹھیک ہی کیا ہے ہا نہ رہا

(۹)

بے چارہ، چارہ ساز تو غافل نہیں رہا
بیمار ہی علاج کے قابل نہیں رہا

ہم بے گناہ، مر کے بھی مجرم قرار پائے
تو قتلِ عام کر کے بھی قاتل نہیں رہا

روکا مجھے بھی چند زلیخاؤں نے مگر
دامن سے اپنے میں کبھی غافل نہیں رہا

اس دورِ گمرہی میں کہ رہزن ہیں رہنما
منزل تو کیا تصوّرِ منزل نہیں رہا

جس وقت عقل و علم و عمل کے محاذ پر
عشق آ گیا تو کوئی مقابل نہیں رہا

دُنیا کی ہست و بود ہے دل ہی سے، دل نہ توڑ
دُنیا نہیں رہے گی اگر دل نہیں رہا

پھر قتل کے لئے انھیں کشتوں میں جان ڈال
مقتل میں زندہ اب کوئی بسمل نہیں رہا

واعظ تو میری توبہ سے خوش ہو گیا مگر
ساقی کو منھ دکھانے کے قابل نہیں رہا

مجھ جیسا بے کمال ہے علامہ حیرتؔ آج
قحط الرجال میں کوئی کامل نہیں رہا

•

۱۰

دو گھونٹ کا بھی جو متحمل نہیں رہا
شایانِ باریابیٔ محفل نہیں رہا

یہ خانقاہِ پیرِ خرابات ہے یہاں
ثابت قدم کبھی متزلزل نہیں رہا

پیری میں اب شباب کی مستی کہاں سے لاؤں
(جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا)

حکمِ خدا کے سامنے کرتا بھی کیا طبیب
جب لائقِ علاج ہی بسمل نہیں رہا

تہمت ہے افترا ہے غلط ہے دروغ ہے
کس نے کہا کہ تم پہ مرا دل نہیں رہا

جب سے پری جمالوں کی زلفیں نہیں رہیں
گویا رواجِ طوق و سلاسل نہیں رہا

دل ہی کی زندگی سے ہے دنیا کی زندگی
دُنیا نہیں رہے گی اگر دل نہیں رہا

ہر فردِ کارواں کو لگی رہبری کی دُھن
جب ذہن میں تصوّرِ منزل نہیں رہا

ناصح تو میری توبہ سے خوش ہو گیا مگر
ساقی کو منھ دکھانے کے قابل نہیں رہا

بے وزن ہو کے رہ گئے ناآشنائے فن
مفعول فاعلات مفاعل نہیں رہا

حیرتؔ وہ میکشی نہ ہوئی خودکشی ہوئی
قابو میں جب زباں نہ رہی دل نہیں رہا

●

(۱۱)

جمالِ یار کی کوئی بھی تاب لا نہ سکا
نظر تو کیا ہے تصوّر بھی اس کو پا نہ سکا

مجھے عمل پہ نہیں کوئی اختیار کہ مَیں
خوشی میں رو نہ سکا غم میں مُسکرا نہ سکا

تری نگاہ سے دل کم نہ تھا نزاکت میں
کہ ایک آہ کی تکلیف بھی اُٹھا نہ سکا

مجھے نگاہِ محبت سے کوئی کیوں دیکھے
تری نگاہ میں جب اعتبار پا نہ سکا

طلوعِ صبح و تجلّائے برق و خندۂ گُل
کوئی بھی تیرے تبسّم کی بات لا نہ سکا

اِس انجمن میں مہ و مہر بھی تھے میرے سوا
مگر کوئی بھی تجھے روشنی میں لا نہ سکا

گیا تھا جلوہ گہِ یار میں مگر حیرت
وہ سر اُٹھا نہ سکے اور میں لب ہلا نہ سکا

۱۲

جب محوِ دید، دیدۂ حیراں نہ ہو سکا
عریاں ہوا بھی جلوہ تو عریاں نہ ہو سکا

عہدِ خزاں میں جوش دکھائیں گے کیا اسیر
جب عہدِ گل ہی سلسلہ جنباں نہ ہو سکا

اُن وحشیوں کی غیرتِ دیوانگی پہ حیف
جن وحشیوں سے وا درِ زنداں نہ ہو سکا

ہوگا تو روزِ حشر ہی ہوگا پھر انقلاب
اب بھی جو انقلابِ گلستاں نہ ہو سکا

ایک ایک جام اور، کہ رندوں میں ساقیا
پیدا شعور و ولولہ ساماں نہ ہو سکا

جس معرکے کو خاطرِ مشکل پسند نے
آساں سمجھ لیا وہی آساں نہ ہو سکا

جیتے رہے تو یوں ہی اٹھاتے رہیں گے حشر
برپا جو اِس بہار میں طوفاں نہ ہو سکا

اندیشہ کارئ خرد حیلہ ساز سے
ایک آدمی بھی آج تک انساں نہ ہو سکا

جُز دردِ عشق و جوشِ جنونِ ستیزہ کار
حیرت علاجِ گردشِ دوراں نہ ہو سکا

•

۱۳

سوزِ محبت نے چمکا دی، دل کی قسمت کیا کہنا
آہ کے شعلے زخم کی ٹیسیں درد کی لذت کیا کہنا

رنج میں ہنسنا عیش میں رونا موت کی شادی زیست کا غم
سارے زمانے سے الٹی دُنیائے محبت کیا کہنا

پی بھی نہ پائے تھے متوالے ہو گئے رخصت ہوش حواس
اُف وہ کسی کی مست نظر کا جلوۂ حیرت کیا کہنا

دورِ شراب و نغمہ و گلشن ابرِ سیاہ و موسمِ گل
آج کسی کی بزم طرب ہے غیرتِ جنت کیا کہنا

میں جدھر آیا بس ادھر آیا جس کی نہ کوئی حد نہ حساب
خیر میں قدسی شر میں شیطاں اُف مری فطرت کیا کہنا

ایسی اداؤں پر نہ کرے کیوں کوئی خدائی کے دعوے
ہونٹ مسیحا آنکھیں قاتل چال قیامت کیا کہنا

ایک بتِ تسخیر نظر کی شعبدہ پرور آنکھوں نے
حیرت مجھ پر آئینہ کر دی میری حقیقت کیا کہنا

(۱۴)

مرا دل دیکھتے ہیں چارہ گر کیا
نظر آجائے گی اُن کی نظر کیا

بہت اترا رہا ہے عرصۂ حشر
اٹھا لایا ہے اُن کی رہگزر کیا

وہ اب اُڑنے لگے ہیں اوپر اوپر
جواں ہوتے ہی لگ جاتے ہیں پر کیا

تم آؤ گے، مگر آ بھی سکو گے
مرے دم توڑنے سے پیشتر کیا

یہاں بھی تم وہاں بھی ہو تمہیں جب
تو پھر دو دن اِدھر کیا اور اُدھر کیا

خبر ہی آئے گی اب نامہ بر کی
پلٹ کر آئے گا اب نامہ بر کیا

نظر، ڈرتی ہے کیوں زخم جگر سے
تجھے کھا جائے گا زخم جگر کیا

نہیں دیوانگی کو وقت کا ہوش
جنوں میں لمحہ بھر کیا عمر بھر کیا

خِرد خود گم جمالِ یار میں ہے
نِگاہوں کی گواہی معتبر کیا

مرے افکار کے ہیں نقش حیرت
ادب کیا علم کیا فن کیا ہنر کیا

۱۵

آگے ایسا زور نہیں تھا آفت کے پرکالوں کا
اب تو مرنا بھی مشکل ہے اِن پر مرنے والوں کا

گِرتا پڑتا مارا مارا، جنگل جنگل پھرتا ہوں
کانٹا کانٹا دم بھرتا ہے میرے پاؤں کے چھالوں کا

لاکھ جتن کر چھوڑے وہ دیوانے کا دیوانہ رہا
قیس پہ سایہ تھا لیلیٰ کے کالے کالے بالوں کا

آندھی آئی بادل گرجے بجلی چمکی مینہ برسا
دیکھنے والو تم نے تماشا دیکھا میرے نالوں کا

ان کے رنگ اور ان کی شوخی ان کی چھب کی بات نہ آئی
لاکھ شفق نے رنگ اڑایا گورے گورے گالوں کا

ٹھیک بتا دے ساقی تو نے لال پری ہی کی ہے بند
خون تو اِن شیشوں میں نہیں ہم جیسے بھولے بھالوں کا

فرزیں کے مرتے ہی پیدل دینے لگے ہیں شہ پر شہ
محفل محفل میں چرچا ہے الٹی سیدھی چالوں کا

آنکھیں ہوتے ہم نہ کہیں گے چاند کو سورج رات کو دن
کون ستاروں کی جھل مِل سے دھوکہ کھائے اُجالوں کا

بن دیکھے بھالے مت جیو دیکھ کے حیرت رکھیو پاؤں
رستے رستے فرش بچھا ہے رنگ برنگے جالوں کا

●

(۱۶)

نکل آئیں گے میری آنکھوں سے آنسو، اگر مُسکرانے کی کوشش کروں گا
محبت کی رسوائیاں اور ہوں گی جہاں تک چھپانے کی کوشش کروں گا

تمہاری خوشی ہے تو نقشِ محبت بھی دل سے مٹانے کی کوشش کروں گا
تمہیں بھول سکتا نہیں دل، مگر میں، تمہیں بھول جانے کی کوشش کروں گا

بھڑکتے ہیں جب شعلہ ہائے محبت، تو پروانہ و شمع جلتے ہیں دونوں
نہ اِس آگ کی تاب تم لا سکو گے، نہ میں تاب لانے کی کوشش کروں گا

یہ کہتا ہے دل، ساری دُنیا میں جاؤں، جہاں بھی ملے میں تجھے ڈھونڈ لاؤں
یہ میرا مقدر، کہ پاؤں نہ پاؤں، مگر تجھ کو پانے کی کوشش کروں گا
ق
تری راہ میں چاند تارے بچھا کر بہشتوں کے رنگیں نظارے بچھا کر
یہ زربفت و زرتار غالیچۂ کہکشاں بھی بچھانے کی کوشش کروں گا

شعاعوں کا جھومر، ستاروں کی افشاں، مہِ نو کا ٹیکہ، قمر کی انگوٹھی
یہ زیور سجا کر، تجھے مہ جبینوں کے جھرمٹ میں لانے کی کوشش کروں گا

بھروں گا کبھی رنگ تیرے سراپا میں اپنے تغزل کی نیرنگیوں سے
کبھی تیری رنگیں جوانی سے ، اپنی غزل کو سجانے کی کوشش کروں گا

جو اکسیر ہو میرے دردِ جگر کی ، جو تصویر ہو ، میری فکر و نظر کی
جو تعبیر ہو میرے خوابِ سحر کی ، اک ایسے زمانے کی کوشش کروں گا

بہت التجا کی ، مگر ہائے قسمت ، سُنا ہی نہیں میرا افسانہ حسرتؔ
اب اُن کو کسی بزمِ شعر و سخن میں ، غزل بھی سُنانے کی کوشش کروں گا

۱۷

دربارِ محبت میں جلتے ہو جاؤ۔ یہاں سے بہت دور جانا پڑے گا
تمہیں کچھ خبر بھی ہے آئے جانے والو کہ رستے میں سارا زمانہ پڑے گا

ہجومِ بہاراں میں اپنے نشیمن کے تنکوں کو اس وقت ہم رو رہے ہیں
مگر کل اسی دن کے جشنِ مسرت میں جبراً ہمیں مسکرانا پڑے گا

یہ کیا ضد کا موقع ہے خدمت بڑھاؤ کہا مان جاؤ مجھے دیکھ جاؤ
مجھے دیکھنے کو جو تم اب نہ آئے تو کل میری تربت پہ آنا پڑے گا

گناہِ محبت کیا ہے تو اس کی سزا بھی ملے گی، دلِ ناتواں کو
یہ بیدادِ نخوت یہ جورِ تغافل یہ نازِ جوانی اٹھانا پڑے گا

شبِ ماہ کے لمحۂ آخری تک خرابات کے لحظۂ آخری تک
مئے سرخ کے قطرۂ آخری تک یہ دور اب تو ساقی چلانا پڑے گا

نئے ولولے ہیں نئے راستے ہیں نئے قافلے ہیں نئے مرحلے ہیں
یہ مانا کہ خوگر نہیں ہے طبیعت، طبیعت کو خوگر بنانا پڑے گا

بظاہر مفر کی نہیں کوئی صورت کہاں تم کہاں یہ پری خانہ حیرت
حسینوں کے جمگھٹ میں جب آ پھنسے ہو تو پھر دل کو قابو میں لانا پڑے گا

۱۸

یہ کون خسروانہ آن بان لے کے آگیا
نشاط و رنگ و کیف کا جہان لے کے آگیا

جلو میں مہر و ماہ ہیں ستارے فرش راہ میں
غضب کیا زمیں پہ آسمان لے کے آگیا

جمالیاتِ جزو و کل خمارِ مُل بہارِ گل
زمانے بھر کا حُسن اک جوان لے کے آگیا

نگاہ زہر میں بجھی لبوں میں آبِ زندگی
وہ بُت سہی مگر خدا کی شان لے کے آگیا

جبیں کی اوٹ میں چھپی مری غزل کی دلکشی
نظر کی آڑ میں مری زبان لے کے آگیا

شباب ہے خمار ہے جمال ہے بہار ہے
وہ میری شاعری مرا بیان لے کے آگیا

گیا تھا بن کے چارہ گر، دیارِ عشق میں مگر
کسی کا دل لیا کسی کی جان لے کے آ گیا

وہ حور ہے کہ اک پری فرشتہ ہے کہ آدمی
زمیں سے آسمان تک اڑان لے کے آ گیا

کسی کی جلوہ گاہ میں حیات کا شعور کا
یقین لے گیا تھا میں گمان لے کے آ گیا

زباں خموش ہے مگر اَدا اَدا، نظر نظر
ہزار و بے شمار ترجمان لے کے آ گیا

پیو کہ حیرتؔ آج اک پری جمال و مہ جبیں
نگاہ میں شراب کی دکان لے کے آ گیا

●

(۱۹)

آج یہ کون انجمن میں جلوہ فرما ہو گیا
بزم کا عالم ابھی کیا تھا ابھی کیا ہو گیا

وہ بھی کیا کرتے کہ آخر حُسن سے مجبور تھے
میں بھی کیا کرتا نظر ملتے ہی شیدا ہو گیا

حُسن قاتل ہے مگر معصوم کہتا ہے جہاں
بے تمنا ہی کی خطا میں عشق رُسوا ہو گیا

وہ حریم ناز میں بیٹھے ہوئے ہنستے رہے
اِک اشارے میں یہاں طوفان برپا ہو گیا

دل، خرامِ ناز کی معجز نُمائی کے نثار
پاؤں بُت خانے میں رکھا تھا کہ قبلہ ہو گیا

میکدہ آباد، ساقی شاد، میکش زندہ باد
آج ہم جیسے فقیروں کا بھی پھیرا ہو گیا

حشر آ پہنچا تہ و بالا ہے ساری کائنات
سر اُٹھاتا ہی نہیں حشر ارے کیا ہو گیا

(۲۰)

دیکھئے پھر نہ ہمیں پائیے گا
بیٹھے، جائیے گا، جائیے گا

آپ اور ترکِ جفا خوب کہی
یہ کسی اور سے فرمائیے گا

رات کا خواب الٰہی توبہ
آپ سنیئے گا تو شرمائیے گا

اپنے جلوؤں کو اب آئینے میں
آپ خود دیکھ کے شرمائیے گا

غیر کا ساتھ ضروری ہے تو خیر
آپ تشریف مگر لائیے گا

ایک دن آئے گا وہ دن بھی ضرور
اپنی بیداد پہ پچھتائیے گا

بزمِ احباب میں آکر حیرتؔ
کچھ نہ کچھ آج تو فرمائیے گا

(۲۱)

جب ذرا پردہ اٹھا کچھ روئے گل پیکر کھُلا
اور بھی رنگِ جوانی روئے روشن پر کھُلا

دوستی کا اک نیا رازِ نہاں مجھ پر کھُلا
دشمنی کرنے لگا جب خوب مے پی کر کھُلا

قافلے والے کریں کس کس پہ آخر اعتبار
دیکھئے جس کو وہ ہے رہزن چھُپا رہبر کھُلا

دیکھنا یہ لڑکھڑاتا آنے والا کون ہے
غم زدہ دامن دریدہ پا برہنہ سر کھُلا

جُرم میرے عشق کا بھی آپ ہی پر آئے گا
حشر کے دن جب مرے اعمال کا دفتر کھُلا

یہ پری پیکر حسیں دل لُوٹ لیتے کیا مجال
خود ہمیں نے چھوڑ رکھا تھا خوشی سے گھر کھُلا

باغباں اب کیوں لئے پھرتے ہیں آزادی کے بعد
آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں نشتر کھلا

کرتے پھرتے ہیں تجھے بدنام یہ کم ظرف رند
یوں نہ چھوڑا کر انھیں انگور کی دختر کھلا

ہے کمالِ حُسن میں کیا آپ کا حُسنِ کلام!
حُسنِ صورت سے کمالِ حُسنِ صورت گر کھلا

مجھ کو حیرت کیا سمجھتے مہر و مہ جن و ملک
راز جب انسانیت کا خود نہ انساں پر کھلا

(۲۲)

کسی نے دل کو اَدائیں دکھا کے لُوٹ لیا
بگڑ کے لوٹ لیا، مُسکرا کے لُوٹ لیا

یہ کوئی وقت نہ تھا، قدرت آزمائی کا
کہ آپ نے مجھے مجبور پا کے لُوٹ لیا

کسی کے پَرتوِ برقِ جمال کو ہم نے
تمام خرمنِ ہستی لُٹا کے لُوٹ لیا

سِتم ظریف نے پھر اپنے مرنے والوں کو
خرامِ ناز سے محشر اُٹھا کے لوٹ لیا

مجھے، کہ میں غمِ کون و مکاں سے تھا آزاد
طلسم خانۂ ہستی میں لا کے لوٹ لیا

سدا وہ آنکھ سلامت رہے، اُس آنکھ کی خیر
جس آنکھ نے، مجھے حیرت بنا کے لوٹ لیا

●

(۲۳)

نہ یہ زمین ہے اپنی نہ آسماں اپنا
نئے سرے سے بناؤ، نیا جہاں اپنا

یہی ہے سب سے بڑا فرض رہنماؤں کا
ہر احتجاج پہ دیتے ہیں اک بیاں اپنا

یہ بات کیا ہے، کہ رہ رہ کے یاد آتا ہے
بہار میں بھی، وہی موسمِ خزاں اپنا

مجھے تو ہم سفروں سے بھی خوف لگتا ہے
نہ لوٹ لیں کہیں خود ہی یہ کارواں اپنا

اسی نواح میں تھا، غالباً کہیں نہ کہیں
وہ گھر کہ ہم جسے کہتے تھے آشیاں اپنا

ہزاروں نقش زمانے میں ہم نے چھوڑے ہیں
ہر ایک نقش ہے اب نقشِ جاوداں اپنا

قیامتیں بھی اُٹھیں انقلاب بھی آئے
مٹا ہے اور نہ مٹے گا، کبھی نشاں اپنا

ہماری رائے کی شائد اُسے ضرورت ہے
بَنا ہے آج جو صیّاد مہرباں اپنا

جو باغباں ہیں وہ کیفِ بہار میں ہیں مَست
اب اس چمن میں ہر اک خود ہے پاسباں اپنا

نہ دیر کو، نہ حرم کو، نہ میکدے کو قبول
لئے پھروں دلِ ناداں کہاں کہاں اپنا

چمن کا رنگ بھی بدلا، تو عہدِ پیری میں
لیا ہے وقت نے کس وقت امتحاں اپنا

اگر عزیز ہے اُردو، تو پھر ادا کیجئے
وہ حق جو مانگتی ہے آپ سے زباں اپنا

گزر چکے تو ہیں اَسّی برس، مگر حیرت
خدا کے فضل سے فن ہے ابھی جواں اپنا

●

بحرِ مُجتث مثمن

(۲۴)

نہ کیوں ہو، رنگِ تغزل بھی گل فشاں اپنا
جمالِ یار ہے۔ عنوانِ داستاں اپنا

مِلا نہ زہر بھی خالص، جو کھا کے مر جاتے
کیا ہے جِنس نے، نِرخ اس قدر گراں اپنا

تمہیں نے جب نہ سنبھالا، تو اب سنبھالے کون
لئے پھریں، دلِ ناداں، کہاں کہاں اپنا

ہمارے دل کو نہ توڑو کہ اب تمہارے سِوا
نہ کوئی دوست ہے اپنا، نہ مہرباں اپنا

کہاں چھپے ہیں وہ مہوش کہ جن کی راہوں میں
خود آ کے فرش بچھاتی تھی کہکشاں اپنا

ہوئے ہیں بتکدہ و دیر، انقلاب کی نذر
ترقیوں پہ ہے میخانۂ مغاں اپنا

اسی زمانے میں کیا، بلکہ ہر زمانے میں
رہا ہے برق کی زد پر ہی آشیاں اپنا

چلا گیا، مرے ہنگامۂ شباب کے ساتھ
کہاں سے لاؤں وہ ہنگام رائیگاں اپنا

ہم آئینہ ہیں، اُنھیں کے جمال کے حیرت
کوئی کمال بھی اپنا نہیں یہاں اپنا

•

بحرِ مُجتث مثمن

۲۵

میری جانب وہ کسی کا نگراں ہو جانا
پھر مرا درد بدل شعلہ بجاں ہو جانا

تیرے قامت کی قسم تیرے سراپا کی قسم
میں نے دیکھا ہے قیامت کا جواں ہو جانا

عمر بھر دل کے تڑپنے کے لئے کافی ہے
ایک اوچھی سی نظر کا رگِ جاں ہو جانا

ہائے قسمت کہ مرے ہاتھ میں ساغر آنا
اور مسجد میں اُسی وقت اذاں ہو جانا

ایک سرشار نے مئے کو یہ بشارت دی ہے
تیری تقدیر میں ہے خُلدِ مکاں ہو جانا

کیا یہی مہر و وفا کا ہے تقاضائے زورؔ[1]
دیکھتے دیکھتے آنکھوں سے نہاں ہو جانا

بیعتِ شیخ اگر راس نہ آئے حیرتؔ
داخلِ سلسلۂ پیرِ مغاں ہو جانا

●

[1] ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ مرحوم
بحرِ رمل مثمن مزاحف

۲۷

پھرتا ہوں نظر میں لئے بازارِ تمنّا
ہے کوئی زمانے میں خریدارِ تمنّا

اب تو ہی سُنا قصّۂ غم دیدۂ پُرنم
لب میں تو نہیں طاقتِ گفتارِ تمنّا

شب بھر مہ و ناہید سے کرتا ہے دعائیں
ملتی ہے جسے دولتِ بیدارِ تمنّا

قائم ہے تمنّا پہ مرے عشق کی بنیاد
کس دل سے کروں جرأتِ انکارِ تمنّا

افسانے پہ افسانہ بناتی رہی دُنیا
خاموش رہی غیرتِ خوددارِ تمنّا

ہے آج جنونِ دلِ ناعاقبت اندیش
آمادۂ گستاخیٔ اظہارِ تمنّا

اے دامنِ جاناں مری آنکھوں کی طرف سے
قرباں ہیں تجھ پر دُرِ شہوارِ تمنّا

جب آئیں گے طوفان بہاروں کی ہوا کے
اٹھ جائے گا خود پردۂ اسرارِ تمنّا

حیرت ہے کہاں چاند کہاں پیکرِ خاکی
اللہ رے سرگرمیٔ رفتارِ تمنّا

مضارع مثمن مزاحف

●

۲۷

آدمی ہے دنیا کا جب کہ حکمراں تنہا
کیوں نہیں اٹھاتا پھر ذمہ داریاں تنہا

ہر گدا و ہر سلطاں آدمی نہیں ہوتا
آدمی اُٹھاتا ہے بارِ دو جہاں تنہا

ناتواں کروروں بھی ناتواں ہی رہتے ہیں
سیکڑوں پہ بھاری ہے ایک پہلواں تنہا

جب بہار گلشن کی لوٹتے ہوں خود مالی
کیا بہار لائے گا کوئی باغباں تنہا

جیسے موسمِ گل کا داخلہ ہے اب ممنوع
مالکِ گلستاں ہے موسمِ خزاں تنہا

اور ہی نظر سے اب دیکھتے ہیں تم کو سب
یوں نہیں پھرا کرتے شب میں نوجواں تنہا

ہر پرانت کی بھاشا ہے الگ مگر حیرت
سب کی ایک بولی ہے ریختی زباں تنہا

●

رہ نوردی ہے مری طےِ مراحل کے قریب
ڈر ہے اب سانس اکھڑ جائے نہ منزل کے قریب

ایک بجلی سی ہے اتنا تو میں کہہ سکتا ہوں
اب نہ معلوم مرے دل میں ہے یا دل کے قریب

پھر یہ کیا بات ہے باایں ہمہ قدرت صیاد
آج آتے ہوئے ڈرتا ہے عنا دل کے قریب

دل میں ہمت ہو تو پھر کود پڑو طوفاں میں
کیا کھڑے دیکھ رہے ہو لبِ ساحل کے قریب

نزع کی سی خلش کرب اب آپہنچی ہے
آپ کی جان سے دور آج مرے دل کے قریب

جب حجابوں کے تصوّر سے بھی عاجز ہے خرد
کس کی ہمّت ہے کہ ہو جلوۂ کامل کے قریب

درد اگر ایک جگہ ہو تو بتائے کوئی
کبھی سینے میں کبھی دل میں کبھی دل کے قریب

صبح ہوتے ہی نظر آئے گی منزل حیرت
رات ہی رات میں آپہنچے ہیں منزل کے قریب

بحر رمل مزاحف مثمن

(۲۹)

حُسن و شباب رنگ کا اک ماحصل ہیں آپ
میری جوان و تازہ و رنگیں غزل ہیں آپ

یا نقش غیر فانیٔ فردوس رنگ و بُو
یا ایک حرفِ آخرِ حُسنِ ازل ہیں آپ

مہر و مہہ و نجوم بھی ہیں شاہکارِ حُسن
تخلیق حُسن کار کا خیر العمل ہیں آپ

آخر حریم دل میں اُتر آئے عرش سے
جب بر محل تھے آپ کہ اب بر محل ہیں آپ

پھولوں کی ہو زمین کہ تاروں کا آسماں
ہر جلوہ گاہِ حُسن میں ضرب المثل ہیں آپ

نورِ سحر، فروغِ قمر، خوب ہیں مگر
ہر شاہکارِ حُسن کا نعم البدل ہیں آپ

دنیا ہے آج معرکہ آرائے کارزار
اِس جنگ و کشمکش کا فقط ایک حل ہیں آپ

رنگینیٔ خیال کا اک پیکرِ جمال
میرے تصورات کا ردِّ عمل ہیں آپ

یوسف کا حُسن معجزۂ حق نما سہی
یکتائے روزگار مگر آجکل ہیں آپ

مومن فدائے چہرہ ہے کافر نثارِ زلف
اک مرکزِ محبتِ بین الملل ہیں آپ

حیرتؔ کے لالہ زارِ سخن کی بہار میں
جنت اگر غزل ہے تو بیت الغزل ہیں آپ

●

بحر مضارع مزاحف مثمن

(۳۰)

ہائے وہ پہلے پہل اُن سے مُلاقات کی رات
خود فراموشیٔ و طغیانیٔ جذبات کی رات

تو نے بے پاؤں کے پیمانے چلائے ساقی
آج کی شب ہے ترے کشف و کرامات کی رات

یا غفورُ کی صدا آتی تھی ہر گھونٹ کے بعد
شامِ میخانہ تھی تسبیح و مناجات کی رات

آپ چاہیں تو اُسے میری جوانی کہہ لیں
ورنہ تھی ایک گنہگاری و ظلمات کی رات

لے گیا کون الٰہی وہ مرے لیل و نہار
دِن جہاد اُت کا دن، رات مُہمّات کی رات

شام ہوتے ہی نکلتا ہے خرابات کا دن!
دِن نکلتا ہے تو ہوتی ہے خرابات کی رات

دن تو کٹ جاتا ہے، مسجد میں مگر یہ مت پوچھ
تیر ہوتی ہے کہاں، مردِ خُوش اوقات کی رات

مرحبا اے صنمِ نغمہ سرا، شعلہ نوا
ہر طرف آگ لگی تھی ترے نغمات کی رات

تیری ہر تان میں اک آن تھی ہر آن میں تان
چشم و ابرو سے اداکاریٔ جذبات کی رات

ناز تسخیر، ادا شعبدہ، آنکھیں جادو
انجمن تھی کہ تماشائے طلسمات کی رات

روئے رنگیں ہے کہ ہے صبحِ بہاراں کی شفق!
زلفِ مشکیں ہے کہ بھیگی ہوئی برسات کی رات

وقت جاتا ہے تو پھر لَوٹ کے آتا ہی نہیں
بے وفا دیکھو نہ جا ٹھیر بھی جا رات کی رات

بزمِ احباب میں حیرتؔ نے سُنائی جو غزل
دُھوم تھی نُدرتِ تخیّل و محاکات کی رات

(بحر رمل مزاحف مثمن)

(۳۱)

چلتا ہے دورِ بادہ و ساغر تمام رات
میکش گزارتے ہیں فلک پر تمام رات

مت پوچھیے گزرتی ہے کیونکر تمام رات
کرتے ہیں گفتگو مہ و اختر تمام رات

اُن کے حریمِ ناز میں ہم تو نہ تھے مگر!
سوتا رہا ہمارا مقدّر تمام رات

ہنس کر گزارتے ہیں جو عاشق تمام دن
لیکن گزارتے ہیں وہ رو کر تمام رات

توڑا کبھی سبو کبھی ساقی سے لڑ پڑے
ہوتا رہا بپا یہی محشر تمام رات

دنیا و دیں کو گھول کے ساغر میں پی گیا
ایسے بھی وقت آئے ہیں مجھ پر تمام رات

صدیوں سے جیسے وقت ہے ٹھہرا ہوا یہاں
ہم میکشوں میں ایک ہے دن بھر تمام رات

●

مضارع مثمن مزاحف

(۳۲)

عید آئی ہے دے پیرِ مُغاں آتشِ تر آج
کر بادہ و پیمانہ کو پھر شیر و شکر آج

قابو سے ہے باہر نگہہِ شعبدہ گر آج
اے دیدۂ دل جرأتِ نظارہ نہ کر آج

شوخی ہے بہاروں پہ جوانی مُترنّم
فردوس ہی فردوس ہے تا حدِّ نظر آج

اللہ رے آئینِ ستم کی ہمہ گیری
سینے میں سلامت کوئی دل ہے نہ جگر آج

اک وہ بھی ہیں راہی کہ سفر اُن کا وطن ہے
اک ہم کہ وطن میں ہیں بعنوانِ سفر آج

تھا رات ضرور آپ کے ہونٹوں پہ تبسّم
ہنستی ہوئی نکلی ہے تبا شیرِ سحر آج

پُرخار بیابانِ محبت ہے تو کیا ہے
ہر آبلۂ پا بھی تو ہے سینہ سپر آج

گم ہو تو چکا ہوں رہِ عرفانِ خودی میں
ممکن ہے کہ مل جائے کچھ اُن کی بھی خبر آج

آخر کوئی ہے بھی کہ نہیں منزلِ آخر
ہر منزلِ آخر ہے تری راہ گذر آج

کچھ اشک ہیں کچھ ہیں دلِ صد چاک کے ٹکڑے
لایا ہوں لُٹانے کے لئے لعل و گہر آج

شمعوں سے کہو گاؤ، گلوں سے کہو ناچو
دیکھو مرے گھر میں اُتر آیا ہے قمر آج

ہر نقشِ گراں قدر و گراں مایۂ حیرت
جوہر ہے بہر زاویۂ نقد و نظر آج

•

بحر ہزج مثمن مزاحف

(۳۴)

رکھتے ہو خیال اور ہی دیتے ہو بیاں اور
کیا بات ہے واللہ کہ دل اور زباں اور

لہرائیں گے گلشن میں بہاروں کے نشاں اور
کچھ روز کے مہماں ہیں ایامِ خزاں اور

ساقی تپشِ شوق کہیں سرد نہ پڑ جائے
ہاں آتشِ سیال کا اک رطلِ گراں اور

ہم بھی تو ہیں مریخ و مہ و مہر سے آگے
مانا کہ ستاروں سے بھی آگے ہیں جہاں اور

زاہد میں کہاں مردِ مجاہد کی حرارت
غازی کی اذاں اور نمازی کی اذاں اور

اب ہے کفِ محنت میں کلیدِ درِ دولت
کچھ دیر کی ہے کشمکشِ سود و زیاں اور

ڈو ایک دھماکوں سے بدلتا نہیں نقشہ
بھونچال ابھی آئیں گے بے شان و گماں اور

طوفانوں کی یلغارِ مسلسل سے نہ معلوم
کتنے ورق اُلٹے ابھی تاریخِ جہاں اور

طوفاں سے اگر جاں چرائی دل وجاں نے
لے آئیں گے بازار سے جاکر دل وجاں اور"

ہیں غنچہ و گُل و برگ و ثمر گوش بر آواز
اک تازہ غزل . طائرکِ زمزمہ خواں اور

بحر ھزج مثمن مزاحف .

(۳۴)

ہاں جوش میں آ۔ رنگ دکھا طبع رواں اور
کرنے ہیں ابھی فاش کچھ اَسرارِ نہاں اور

کروٹ ابھی لینے کو ہے نیرنگِ جہاں اور
ہے آج کی رُت اور تو کل ہوگا سماں اور

غیروں کی وَفا سے تو فراغت ہوئی حاصل
اپنوں کی جَفا کا ہے ابھی بارِ گراں اور

ہم سایہ و ہم جادہ و ہمدم ہیں مگر آہ
دل اور نظر اور خیال اور زباں اور

اردو کے حریفوں کی ہمیں کچھ نہیں پرواہ
ہنگامۂ پیکار میں چلتی ہے زباں اور

ہندی کو تو اُردو سے کوئی بیر نہیں ہے!
اُردو کی مخالف ہے کوئی رُوحِ رواں اور

اللہ سمجھتے نہیں اب وہ مری اُردو!
دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور"

تم جنگ کے منصوبے بناتے ہی رہو گے
بڑھ جائے گا خود قافلۂ امن و اماں اور

ہم ماضیِ بے روح کا ماتم نہیں کرتے
بُلوائیے باہر سے کوئی مرثیہ خواں اور

ہے پیرِ خرابات کا ہونا ہی اگر فرض
ہم خود ہی بنالیں گے کوئی پیرِ مغاں اور

ہم پیر ہیں اور پختگیٔ عمر میں حیرت
ہو جاتے ہیں فنکار کے افکار جواں اور

●

بحر ہزج مثمن مزاحف

(۳۵)

دل اُن کو دیکھتا ہے نظارا کئے بغیر
پردے میں ہیں وہ آنکھ سے پردا کئے بغیر

حق سے اگر ہے لاگ تو باطل سے ہے لگاؤ
چارہ نہیں کسی کی تمنّا کئے بغیر

ممکن نہیں کشاکشِ امروز میں حیات
دل میں یقینِ عشرتِ فردا کئے بغیر

دنیا فریبِ محض ہے لیکن مفر نہیں
دُنیا میں ہم نوائی دُنیا کئے بغیر

مانا کہ تم پھر آئے بھی اور میں نہیں رہا
دیکھو نہ جاؤ میرا مُداوا کئے بغیر

ناموسِ شاہِ مصر ہو فرہاد ہو کہ قیس
چھوڑا ہے کس کو عشق نے رُسوا کئے بغیر

ساقی بنا دے مستِ مئے جاوداں نشاط
مِنّت پذیرِ ساغر و مینا کئے بغیر

آتی نہیں قضا بھی خلافِ رضائے دوست
ملتی ہے کائینات تقاضا کئے بغیر

بیمار کو نہ دیجئے اِلزامِ اضطراب
اچھا ہوا ہے کوئی بھی اچھا کئے بغیر

دُنیا سے التفات کی امید ہے فضول
دُنیا سے اِنقطاعِ تمنّا کئے بغیر

ذوقِ جنونِ عشق کی تکمیل ہے محال
دانش کی تلخیوں کو گوارا کئے بغیر

حیرت نگاہِ شوق سے اٹھتے نہیں نقاب
مشقِ تصوّرِ رُخِ زیبا کئے بغیر

•

بحر مضارع مثمن مزاحف

(۳۶)

میرا کلام حُسن و عشق، ہے جو غزل کے طور پر
اس کو فرشتے لکھ نہ لیں، فردِ عمل کے طور پر

بلبل و گل ہیں نیم جاں شعلہ فشاں ہے آشیاں
آئی ہے باغ میں بہار، پیکِ اجل کے طور پر

پیری و انحطاط کا مرحلہ آخر آگیا
ولولۂ شباب کے ردِ عمل کے طور پر

اپنے غرورِ حسن پر طنز سمجھ کے ہیں خفا
میں نے کہی تھی ایک بات اُن سے مثل کے طور پر

غنچوں کی آبرو گئی، پھولوں کا رنگ و بو گئی
حُسنِ چمن میں روز روز ردّ و بدل کے طور پر

ہو گئے ہم بھی ناتواں تم بھی نہیں رہے جواں
وعدے کو ٹالتے رہے لیت و لعل کے طور پر

حرص و ہوس جو لائے تھے حسرت و یاس لے گئے
بیت گئی تمام عمر طولِ اَمل کے طور پر

آج کو مت بُرا کہو ، کل ہی وہ دن بھی آئے گا
یاد کرو گے تم اِسی ، آج کو کل کے طور پر

بادۂ و شعر و نغمہ بھی ، موسم گل بھی تم بھی ہو
آؤ منائیں ہم بھی جشن ، شام غزل کے طور پر

حیرتِ روزگار ہوں اب مجھے دیکھتے ہیں لوگ
چار مینار کی طرح ، تاج محل کے طور پر

بحر رجز مثمن مزاحف

19732 ۱۹۷۳۲

٣٧

خانہ ویراں ہیں مرغانِ بے بال و پر
اس طرف کے اُدھر اُس طرف کے اِدھر

آدمی ہم بھی ہیں آپ بھی ہیں مگر
کوئی ہے منتظر کوئی ہے منتظر

عشق کی آن اِدھر حُسن کی ضد اُدھر
اُن سے ہم بے خبر ہم سے وہ بے خبر

کارواں میں یہ ہوتی ہیں سرگوشیاں
راہ زن تو نہ نکلے کہیں راہ بر

منزلِ صبح خود دے رہی ہے صدا
شام کے راہیو تیز تر تیز تر

پرتوِ مہر کو ہم دھوپ کہتے نہیں
چاندنی رات کو کون مانے سحر

تیرگی کا لقب پڑ گیا روشنی
صبح بے شام ہے ہر شبِ بے سحر

ساکنانِ چمن، واردانِ چمن
کچھ سفر در وطن، کچھ وطن در سفر

ہے طبیعت ابھی زور پر جوش پر
حیرتؔ اور اک غزل تازہ تر نغز تر

●

بحر متدارک سالم مثمن

(۳۸)

دیکھ ہر وقت آئینہ دیکھا نہ کر
لگ نہ جائے کہیں تجھ کو اپنی نظر

اُف یہ پیکِ قضا اُف یہ تیرِ نظر
الامان الحفیظ العیاذ الحذر!

رنج و غم سے نہیں آدمی کو مفر
عشق بھی دردِ دل، عقل بھی دردِ سر

کر چکے سیر مریخ و شمس و قمر
اپنے دل کی بھی آپ کو کچھ خبر

بجلیاں بھی ہیں غارت گرِ بحر و بر
لیکن اُن کی نظر ہے پھر اُن کی نظر

عشق عین الیقین، عشق حق الیقیں
علم نامستند، عقل نامعتبر

حُسن ہے یوں جوانی کے آغوش میں
جیسے محشر میں اک جنتِ مختصر

خیر و شر کے تعادم سے ہے زندگی
یا الٰہی سلامت رہیں خیر و شر

حُسن، بے عشق، بے معنی و ناتمام
حُسن ہے مبتدا عاشقی ہے خبر

انقلابوں سے ہوتی ہے دُنیا جواں
انقلابوں کی یورش سے حیرتؔ نہ ڈر

•

بحر متدارک سالم مثمن

(۳۹)

حیران رہ گیا ترے انوار دیکھ کر
نادم ہے عشق حُسن کا معیار دیکھ کر

شیرازۂ حیات دو عالم بکھر نہ جائے
ڈرتا ہوں نبضِ وقت کی رفتار دیکھ کر

رستے میں آئیں گے حرم و دیر و خانقاہ
رکھنا جبینِ شوق درِ یار دیکھ کر

شرما رہے ہیں فلسفی و شیخ و برہمن
رندوں کی استواریِ کردار دیکھ کر

آئینہ دیکھتے ہی جھجک کر الٹ دیا
کچھ آمدِ شباب کے آثار دیکھ کر

میں منہ چھپا رہا تھا کہ رحمت نے چُن لیا
سب سے بڑا مجُھی کو گنہگار دیکھ کر

ہے آج رشکِ روضۂ فردوس انجمن
حیرت کی گلفشانیِ گفتار دیکھ کر

•

بحر مضارع مثمن مزاحف

(۴۰)

نظر اور وہ بھی اُن کی ایک اوچھی سی نظر ہو کر
خبر کیا تھی کہ رہ جائے گی پیوستِ جگر ہو کر

نسیمِ صبحِ رنگیں کا ذرا جھونکا تو آنے دو
اُڑا لے جاؤں گا صیّاد کو بے بال و پر ہو کر

مری خودداریِ رندانہ کی توہین ہے ابھی میں
کہ میں پیرِ مغاں سے شیشہ مانگوں شیشہ گر ہو کر

چلا جا بحر و بر کی پستی و رفعت کو ٹھکراتا
نہ مُڑ ماضی کی جانب مردِ مستقبل نگر ہو کر

لگا کر رکھ دیئے کُشتوں کے پُشتے واہ کیا کہنا
بڑے آئے تھے بیمارانِ غم کے چارہ گر ہو کر

مجھے بھی کارواں کو چھوڑ دینا ہی پڑا آخر
جب اہلِ کارواں نے رہزنی کی ہم سفر ہو کر

کہانی عمر بھر کی ہم نے یوں اک لفظ میں کہہ دی
کہ آنسو بن کے ٹپکا قصۂ غم مختصر ہو کر

بیاباں ہی بیاباں ہے جدھر سے وہ نہیں گزرے
خیاباں ہی خیاباں ہے وہ گزرے ہیں جدھر ہو کر

وہ اب تجھ کو نظر انداز کر سکتے نہیں حیرتؔ
سما جا نرگسِ شہلا میں نیرنگِ نظر ہو کر

••

بحر ہزج سالم مثمن

(۲۱)

جاری فریبِ وعدۂ فردا ہے آج تک
ایک ایک وعدہ تشنۂ ایفا ہے آج تک

جمہوریت کے نام سے، جمہور کُش گروہ
جمہور ہی کا خون بہاتا ہے آج تک

ہر چند کر دیا جسدِ مردہ کو رہا
لیکن ضمیر و روح پہ قبضہ ہے آج تک

جاگیر دارِ کعبہ و سرمایہ دارِ دیر
ڈالر مُصل پہ ناصیہ فرسا ہے آج تک

غارت گری و قتلِ مسلسل کے باوجود
قاتل پہ اعتقادِ مسیحا ہے آج تک

کل کی خبر نہیں کہ رُکے یا نہ رُک سکے
طوفاں، جو میں نے ضبط سے روکا ہے آج تک

ہر سمت کشت و کار ترقی پہ ہے مگر
ایک ایک دانہ گوہرِ یکتا ہے آج تک

تخریب و انتشار و تباہی کے باوجود
تعمیر و انتظام کا دعویٰ ہے آج تک

پہنچی نہیں سنہری کرن صبح کی جہاں
اس شب نصیب گھر میں اندھیرا ہے آج تک

جس جس طرف سے مہرِ درخشاں گزر گیا
اُس شہر اُس چمن میں اُجالا ہے آج تک

آیا ہی چاہتی ہے بہارِ چمن فروز
میری نظر نے رنگ جو دیکھا ہے آج تک

اے مدّعائے حیرت و اے انقلابِ دہر
تیرے ہی انتظار میں دُنیا ہے آج تک

بحر مضارع مثمن مزاحف ●

خودی کو دولت کی برتری پر کیا کریں ہم نثار کب تک
بنے رہیں کمترین و ناچیز و فدوی و خاکسار کب تک

یہ مانتا ہوں کہ بادۂ اقتدار ہوتا ہے لذّت آگیں
مگر یہ کیف و سرور کب تک مگر یہ لطف و خمار کب تک

یہ خرمن اندوز و مایہ پرور یہ زرکش و زر پرست و زرگر
بنے رہیں گے بہ زورِ خنجر ہمارے پروردگار کب تک

متاع پر بھی اُنھیں کا دعویٰ معاش پر بھی اُنھیں کا قبضہ
ملی تو روزی نہیں تو روزہ چلے گا یہ روزگار کب تک

یہ کشمکش شیخ و برہمن کی یہ جنگ یزداں و اہرمن کی
یہ بغض و نفرت بہ اقتضائے تعصبِ فرقہ وار کب تک

اُدھر ہیں جاں بخشیوں کے وعدے اِدھر وفاداریوں کے دعوے
نہ جانے کرتے رہیں گے دونوں فریب پر اعتبار کب تک

بھڑکتے شعلوں کو طفلِ ناداں ابھی لالہ و گل نہیں سمجھنا!
خزاں محیطِ چمن رہے گی بہ التباسِ بہار کب تک

جھلک بھی جا اب تو صبحِ رنگیں نکل بھی آفتابِ رنگیں
درازیِ شب کی کوئی حد بھی طلوع کا انتظار کب تک

ہمارا جی تھا کہ اپنی آنکھوں سے ہم بھی کچھ رنگ دیکھ لیتے
مگر یہاں وقت آچکا ہے نہ جائے آئے بہار کب تک

چراغ پا ہوں نہ میرے دیرینہ دوست آتش نوائیوں پر
چھپائے رکھتا میں اپنے دل میں جہنمِ شعلہ بار کب تک

سُمِّیت و اجتماعیت کے سوا نہ تھا کوئی حل ہی حیرت
خمارِ جمہوریت میں رہتا بھلا کوئی ہوشیار کب تک

بحر متقارب مکرر مزاحف

۴۳

اب جو منجملۂ صاحبِ نظراں ہیں کچھ لوگ
کوئی بتلاؤ کہ آخر وہ کہاں ہیں کچھ لوگ

ہے وہیں شاعری و نغمہ وہیں حُسن و شراب
ہم سے رندانِ خراباتِ جہاں ہیں کچھ لوگ

کبھی غیروں کی حمایت کبھی اپنوں کا گلہ
بزم میں کارکنانِ دِگراں ہیں کچھ لوگ

حُسن دیکھیں تو فرشتے بھی اُنھیں سجدہ کریں
ایسے بھی دشمنِ دل آفتِ جاں ہیں کچھ لوگ

جس کو گزرے ہوئے جُگ بیت چکے ہیں لیکن
اُس زمانے کے ابھی مرثیہ خواں ہیں کچھ لوگ

مے اگر تو نے چھپائی ہی نہیں بادہ فروش
پھر یہ گھیرے ہوئے کیوں تیری دکاں ہیں کچھ لوگ

تیرے میخانے کا دستور بدل ڈالیں گے
ایسے دیوانے بھی اے پیرِ مغاں ہیں کچھ لوگ

ہیں یہی زورؔ یہ مخدومؔ و اریبؔ و جامیؔ!
میرے ٹوٹے ہوئے دِل میں جو نہاں ہیں کچھ لوگ

سُن کے حیرتؔ کی غزل ہائے یہ اُن کا کہنا
(عہدِ پیری میں بھی اے زورؔ جواں ہیں کچھ لوگ)

●

بحر رمل مزاحف مثمن

رُلا کر مجھے مُسکرانے سے حاصل — ستائے ہوئے کو ستانے سے حاصل
محبت سے برہم وفاؤں سے ناخوش — تو پھر تم پہ ایمان لانے سے حاصل
نظر میں مُروّت نہ دل میں محبت — گُلوں کی طرح مُسکرانے سے حاصل
بہت آزمایا ہے پھر آزما لو — مُجھے بار بار آزمانے سے حاصل
عدم میرا اوّل عدم میرا آخر — پھر الزامِ ہستی لگانے سے حاصل
وہ خط کھینچتے جو مٹائے نہ مٹتا — لکیریں بنا کر مٹانے سے حاصل
تکلف ہے جب مجھ سے ملنے میں تم کو — تصور میں تشریف لانے سے حاصل
وہ بیمار کے جیتے جی جب نہ آئے — تو اب اُن کے آنے نہ آنے سے حاصل
مرے دیدہ و دل پہ بجلی گراتے — سرِ طور بجلی گرانے سے حاصل

زمانہ ہے بے ہوش و بے گوش حیرت
زمانے کو نغمے سُنانے سے حاصل

•

بحر متقارب سالم مثمن

(۴۵)

اب ماورا ہیں۔ وہم و قیاس و گماں سے ہم
آزاد ہو کے قیدِ زماں و مکاں سے ہم

زِچ آگئے ہیں اَبتریٔ گلستاں سے ہم
پیدا کریں گے خود ہی بہار اب خزاں سے ہم

اب صاف صاف کہتے ہیں سارے جہاں سے ہم
اُردو زبان ہم سے ہے، اُردو زباں سے ہم

رُوح الامیں نہیں کہ جھجک جائیں خوف کھائیں
تیرے حریمِ بے جہت و لامکاں سے ہم

اک ماہِ نیم ماہ ہے اک مہرِ نیم روز
لائے تھے چند ذرّے ترے آستاں سے ہم

تم بھی کہاں رہو گے بقیدِ تعینات
ہٹ جائیں لمحہ بھر کو اگر درمیاں سے ہم

سالارِ کارواں ہی نہ تھا منزل آشنا
اچھا ہوا کہ چھوٹ گئے کارواں سے ہم

ہم رَہ نوارد ہیں یہہ ہمارا وطن نہیں
گزرے ہیں سیر کرتے ہوئے اس جہاں سے ہم

حُسن آج بھی جواں ہے مگر آہ تو نہیں
عہدِ شباب اب تجھے لائیں کہاں سے ہم

ہم بھی بنائے جائیں گے تم بھی مِٹائے جاؤ
لیکن جُدا نہ ہوں گے کبھی آشیاں سے ہم

رنگیں کیا تھا جس کو لہو سے حُسینؓ نے
لیتے ہیں درسِ عشق اُسی داستاں سے ہم

آتی ہے طُور سے بھی یہی صَوتِ سرمدی
اب بولتے ہیں اک مدنیؐ کی زباں سے ہم

میکش بھی کوچ کر گیا، ہم سوچتے رہے
پوچھیں گے میکدے کا پتہ اس جواں سے ہم

حیرت طلسم ہوش رُبا بن کے رہ گئے
نیرنگیٔ معانی و سحرِ بیاں سے ہم

بحرِ مضارع مثمن مزاحف ●

(۴۶)

اب دل کسی ظالم سے لگانے کے نہیں ہم
پھر چوٹ کسی اور سے کھانے کے نہیں ہم

ہر شمع پہ قربان ہوں، ہر گُل پہ تصدق
ایسے بھی گئے گزرے زمانے کے نہیں ہم

جب دام سے نکلے تو ہوئے قیدِ قفس میں
لائق ہی کسی ٹھور ٹھکانے کے نہیں ہم

موجودہ زمانہ بھی ہے تخلیق ہماری
ڈھالے ہوئے موجودہ زمانے کے نہیں ہم

جو سامنے آئے اُسے سینے سے لگا لیں
آئینہ، کسی آئینہ خانے کے نہیں ہم

جانا ہے بہت دُور، جو ملنا ہو تو مِل لو
فردوس سے پھر لوٹ کے آنے کے نہیں ہم

پھر ہوش میں آجائیں جنوں چھوڑ کے حیرتؔ
اب دل کو نیا روگ لگانے کے نہیں ہم

بحر ہزج مثمن مزاحف

●

وہ بھی کیا دن تھے نہ تھے جب شمع تم پروانہ ہم
حُسن سے نا آشنا تم، عشق سے بیگانہ ہم

ساقیا تیری نگاہِ مست اگر کرلے قبول
دل تو کیا لائے ہیں اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ہم

شمع پر کیوں جان دیں آتش بجاں ہوتے ہوئے
جل نہیں سکتے بسوزِ آتشِ بیگانہ ہم

قصۂ گل کہہ چکے رنگیں نوایانِ چمن
اب سناتے ہیں دلِ پُر درد کا افسانہ ہم

تنگ ظرفی کا گلہ پیرِ مغاں سے کیا کریں
مست رہتے ہیں بقدرِ وسعتِ پیمانہ ہم

خود اِسی زنداں میں ہوتا بانی زنداں اسیر
کاش ہو جاتے مکمل طور پر دیوانہ ہم

بادہ کش بگڑا کریں پیرِ مغاں بدلا کرے
الغرض اپنا الگ بنوائیں گے میخانہ ہم

انقلاب آنا تو برحق ہے مگر اے ہم قفس
زندہ بھی ہوں گے بہ عہدِ فرخ شاہانہ ہم

اُف وہ اُن کی نرگسِ افسوں درافسوں کے فریب
بن گئے اک حیرتِ افسانہ درافسانہ ہم

بحر رمل مثمن مزاحف

•

زار ہیں خوار ہیں بیکار ہیں نا چار ہیں ہم
مختصر یہ ہے کہ اس عہد کے فنکار ہیں ہم

اس قدر بادۂ دوشینہ سے سرشار ہیں ہم
فکرِ فردا غمِ امروز سے بے زار ہیں ہم

صبح ہونے کو ہے اس کی نہیں پروا لیکن
ظلمتِ جاں بلبِ شب کے عزادار ہیں ہم

اب نہ وہ مئے ہے نہ ساغر ہیں نہ ساقی لیکن
پشتہا پشت سے ساقی کے وفادار ہیں ہم

تیرگی میں ہمیں باطل نظر آتا ہے نہ حق
زر سے جو زیر کرے اُس کے طرفدار ہیں ہم

تم فرشتے ہو سزا دو سرِ تسلیم ہے خم
خود کو انسان سمجھنے کے گنہگار ہیں ہم

فخر ہے جس پہ جہالت کو تباہی کو ہے ناز
جا نکاروں کی وہ تخلیق وہ شہکار ہیں ہم

دیوتاؤں کی سبھاؤں نے بنایا ہے ہمیں
کنتو آکاش کے دھرتی پہ چمتکار ہیں ہم

دربدر پھرتے ہیں ملتی نہیں مزدوری بھی
اور زمانہ یہ سمجھتا ہے کہ معمار ہیں ہم

اے فلک ہم کو نگاہِ مہ و خورشید سے دیکھ
تیرے منصوبۂ تعمیر کے شہکار ہیں ہم

زندگی آج وہ افسانۂ غم ہے جس میں
چلتی پھرتی ہوئی اک لاش کا کردار ہیں ہم

دیکھتی ہے ہمیں یوں آج کی دنیا حیرتؔ
جیسے مشہور صنادید کے آثار ہیں ہم

بحر رمل مثمن مزاحف

(۴۹)

چمن میں پھر سے نئی آب و تاب لائیں گے ہم
نئی بہار نیا انقلاب لائیں گے ہم

وہ آسمان پہ اُٹھو آئے، آفریں لیکن
زمیں پہ آب ہمہ گردوں رکاب لائیں گے ہم

ہمارے سینے میں بھی اک جلا بھنا دل ہے
شراب آپ منگائیں۔ کباب لائیں گے ہم

حجاب اُٹھیں تو سہی۔ بجلیاں گریں تو سہی
اِسی نگاہ سے جلوؤں کی تاب لائیں گے ہم

اس آفتاب کی کرنیں اگر رہیں بے رنگ
طلوع کر کے اک اور آفتاب لائیں گے ہم

خُمارِ بادۂ رنگیں اگر اُترنے لگا
تری نظر سے چُرا کر شراب لائیں گے ہم

ترا شباب سلامت تری بہار کی خیر
چمن چمن میں بہارِ شباب لائیں گے ہم

ہمارے قلب پہ اُتری ہے اک حسین تصویر
نبی نہیں جو خُدا کی کتاب لائیں گے ہم

اسی طرح سے انھیں لاجواب کرنا ہے
دِکھا کے آئینہ ان کا جواب لائیں گے ہم

بُلا کے اک بتِ کاکل بہ رُخ کو محفل میں
بہارِ ابر و شب ماہتاب لائیں گے ہم

وہ دن بھی دُور نہیں ہیں کہ بزم میں حیرت
نقاب پوشوں کو جب بے نقاب لائیں گے ہم

بحر مجتث مثمن

(۵۰)

ہائے کیا چیز ہیں نوجوانی کے دن
مستیوں کی شبیں شادمانی کے دن

حاصلِ زندگی ہیں یہ لیل و نہار
شبِ محبت کی شب، دن جوانی کے دن

پھر صبا لے کے آئی پیامِ بہار
آ گئے پھر مری گل فشانی کے دن

پڑ رہی ہے تمہیں پر نظر خلق کی
خیر سے گزریں یارب جوانی کے دن

تم نہیں ہو تو برسات کس کام کی
آگ برسا رہے ہیں یہ پانی کے دن

یاد آ کر ہی رہتی ہیں انسان کو
یہ جوانی کی راتیں جوانی کے دن

●

بحر متدارک سالم مثمن

(۵۱)

یہ کس کے حُسن کی پھیلی ہوئی ہے ضو دل میں
کہ برق کی سی چلی آ رہی ہے رَو دل میں

یہی علامتِ آغازِ نَوجوانی ہے
مچلنے لگتے ہیں جذباتِ نو بہ نو دل میں

نہ جائیں گے نہ گئے انجمن سے پروانے
فروغِ شمع کی جب تک لگی ہے لَو دل میں

شبابِ رفتہ کے مغرور مہوشوں میں سے
پڑے ہیں اب بھی کئی نازنیں گرو دل میں

نہیں ہم آج حسینوں کے جمگھٹوں میں تو کیا
جمی ہوئی ہے حسینوں کی بزمِ نَو دل میں

جلیلؔ و فانیؔ و مخدومؔ و امجدؔ و جامیؔ
بہت سے دفن ہیں احبابِ پیشرو دل میں

ہم آئینے سے خموشی میں کم نہیں حیرتؔ
زبان چپ ہے مگر صورتیں ہیں سَو دل میں

بحر مجتث مثمن مزاحف

•

۵۲

شور برپا ہے دیاروں میں بیابانوں میں
جنگ کی آگ نہ لگ جائے گلستانوں میں

اس قدر جوش ہے اس مرتبہ دیوانوں میں
کھلبلی پڑ گئی زنداں کے نگہبانوں میں

تیرہ بختوں کے مقدر کی سیاہی کب تک
منھ چھپائے گی سیاست کے قلمدانوں میں

غرق ہو ہو کے ابھرنے کی ہمیں عادت ہے
انقلابات کے چڑھتے ہوئے طوفانوں میں

بادۂ خونِ تمنا بھی ہے کتنا خوش رنگ
دیدہ و دل کے چھلکتے ہوئے پیمانوں میں

رند زنہار گوارا نہ کریں گے ساقی
بارگاہوں کی سیاست کبھی میخانوں میں!

لے کے آیا ہے چراغِ تہہ دامن حیرت
صرصرِ گردشِ ایام کے طوفانوں میں

بحر رمل مثمن مزاحف

(۵۴)

مرے آنے کی حیرت دھوم ہے یاروں کی محفل میں
بٹھاتے ہیں مجھے آنکھوں پہ رکھتے ہیں مجھے دل میں

تمہیں تم ہو دیارِ عشق کی ایک ایک منزل میں
تکلم میں تصور میں، نگاہِ شوق میں دل میں

وہ سرخی ہے ہمارے عشق کے رنگیں فسانے کی
نمایاں ہے جو دھبہ خون کا دامانِ قاتل میں

حیاتِ بے گل و بے آشیاں سے موت بہتر ہے
لگا دو ہمصفیرو جان کی بازی بھی مشکل میں

نشیمن کیا چمن کو پھر سے ہم آباد کر لیتے
بجائے آشیاں یہ آگ لگ جاتی اگر دل میں

وہاں ظالم بدلتا جائے گا دستورِ صیادی
یہاں ہوتے رہیں گے مشورے باہم عنادل میں

اجل آئی کہ پیغامِ حیاتِ جاوداں لائی
اُتر کر رہ گئی تصویرِ قاتل چشمِ بسمل میں

بحر ہزج مثمن سالم

(۵۴)

اپنی سی نہ کی کوئی کمی ہم نے دوائیں
چلتی نہیں انساں کی مگر حکمِ خدا میں

ہم جب سے ملے زمرۂ اربابِ وفا میں
مارے گئے ناکردہ گناہی کی خطا میں

سرخی مرے افسانۂ غم کی ہے ستمگر
یہ خون کا دھبّہ ترے دامانِ قبا میں

ہے رحم کا وعدہ تو کبھی قہر کی دھمکی!
ڈالا مجھے کس کش مکشِ بیم و رجا میں

پھر آج کسی کو نگہہ ناز نے مارا
بجلی سی چمکتی نظر آئی ہے فضا میں

یہ زیست بھی کچھ کم نہیں مرنے سے کہ حیرت
جیتا ہوں محبّت میں نہ مرنے کی سزا میں

ہزج مثمن مزاحف

جب حیات و موت کو باہم ملا لیتا ہوں میں
پھر ترے دردِ محبت کا مزا لیتا ہوں میں

بے وفا کے وعدۂ باطل پہ لا کر اعتبار
رنج و غم سہنے کی کچھ قدرت بڑھا لیتا ہوں میں

لوگ ہنستے ہیں تو ہنسنے کی شکایت کیا کروں
خود بھی اپنے حال پر جب مسکرا لیتا ہوں میں

دامنِ قلب و جگر تک دسترس دشوار ہے
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑا لیتا ہوں میں

پھر دکھاتا ہے وہ رنگِ لالہ و گل میں بہار
خونِ دل جو اپنی آنکھوں سے بہا لیتا ہوں میں

کس کے دل میں کیا گماں ہے کس کے دل میں کیا خیال
اک نظر میں آدمی کو آزما لیتا ہوں میں

اف رے تیرا دل کہ ظالم ٹس سے مس ہوتا نہیں
عرش کی زنجیر آہوں سے ہلا لیتا ہوں میں

کون کہتا ہے کہ تو ڈھونڈے سے مل سکتا نہیں
اپنی ہستی کو مٹا کر تجھ کو پا لیتا ہوں میں

جگمگا اٹھتی ہے میرے دیدہ و دل کی فضا
جب تمہیں بزمِ تصور میں بلا لیتا ہوں میں

دیکھئے کیا کیا قیامت دل پہ ڈھائے دردِ دل
آج اُن کا نام پھر نامِ خدا لیتا ہوں میں

ڈالتے ہیں ذرہ ذرہ پر وہ حیرت کی نظر!
رنگ ایسا اُن کی آنکھوں میں جما لیتا ہوں میں

●

بحرِ رمل مثمن مزاحف

٥٦

ضد پہ آجاؤں تو دنیا کو مٹا سکتا ہوں میں — آدمیت کو مگر کیا منہ دِکھا سکتا ہوں میں
عقل کیا اور عقل کی تعمیر کیا، تسخیر کیا — حسن کو بھی عشق کے مرکز پہ لا سکتا ہوں میں
عالمِ ماہ مبیں کیا، عالمِ مرّیخ کیا — لامکاں جا کر جب اِک لمحے میں آ سکتا ہوں میں
جا نہیں سکتا جہاں، بال و خیالِ جبرئیل — اُس حریمِ خاص کے پردے اُٹھا سکتا ہوں میں
عِلم و حکمت بھی ہیں عقلِ نکتہ رس کے شاہکا — عِشق کا احسان مگر کیسے بُھلا سکتا ہوں میں
اور کچھ طوفاں دِکھانے کو مجھے ٹھہرا لیا — جب کہا میں نے کہ اب محفل سے جا سکتا ہوں میں
اِن خزاں نادِیدہ پھولوں کا تبسم دیکھ کر — مسکراؤں گا نہیں، گو مسکرا سکتا ہوں میں
ماوَرائے رِفعتِ افلاک ہے پروازِ شوق — کوئی کیا جانے کہ کتنی دور جا سکتا ہوں میں
عقل نے برباد بھی کر دی اگر دنیا، تو کیا — عِشق کی جادوگری سے پھر بسا سکتا ہوں میں
پَردہ اُٹھتے تو سہی، یہ پردہ بھی اُٹھ جائیگا — تاب لا سکتا نہیں، یا تاب لا سکتا ہوں میں
طوطیوں میں دشمنی ہے عندلیبوں میں نزاع — جُز وفا، اے باغباں! اب کر بھی کیا سکتا ہوں میں

اِک صدا آئی کہ حیرت خیر مقدم مرحبا
آستاں پر میں نے پوچھا تھا کہ آ سکتا ہوں میں

بحرِ رمل مثمن مزاحف

۵۷

تیر پر تیر کھا رہا ہوں میں
پھر بھی نظریں ملا رہا ہوں میں

عشق سے حُسن الگ ہے دونوں کو
ایک مرکز پہ لا رہا ہوں میں

دُور ہی آپ ہوتے جاتے ہیں
جس قدر پاس آ رہا ہوں میں

وہ مجھے یاد کر رہے ہیں ضرور
خود کو بھولا سا جا رہا ہوں میں

یوں بھی مشکل ہے امتحانِ وفا
اور مشکل بنا رہا ہوں میں

کوئی دل میں بُلا رہا ہے مجھے
کوئی کہہ دو کہ آ رہا ہوں میں

آج یوں مجھ سے مل رہا ہے کوئی
جیسے دُنیا سے جا رہا ہوں میں

اُن کی حیرت فروش آنکھوں کو
جانِ حیرت بنا رہا ہوں میں

بحرِ خفیف مسدس

بن کے حیرت اُن کی آنکھوں میں سما جاتا ہوں میں
ساری دنیا کو سِوا اُن کے نظر آتا ہوں میں

دل میں دونوں کے محبت ہے مگر کیا کیجئے
مجھ سے شرماتے ہیں وہ اور اُن سے شرماتا ہوں میں

بے نیازِ حدِّ منزل، عشقِ لامحدود ہے
بس وہی منزل ہے جس منزل پہ تھک جاتا ہوں میں

نغمہ ہائے دردِ دل کے خود ہی لیتا ہوں مزے
آپ ہی روتا ہوں میں اور آپ ہی گاتا ہوں میں

تیری بزمِ خاص میں ساقی ترے اقبال سے
اور تو سب کچھ ہے۔ اک اپنی کمی پاتا ہوں میں

خود بخود طے ہوتی جاتی ہیں وفا کی منزلیں
جادۂ الفت میں جتنی ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

کوئی سمجھے بھی تو کیا سمجھے محبّت کا طلسم
خود تو سمجھا ہی نہیں اَوروں کو سمجھاتا ہوں میں

رَحم کر رَحم ، اے تغافل آشنا بیگانہ خو
اب تو خود اپنی نگاہوں سے گِرا جاتا ہوں میں

ہائے مجبوری کہ حیرت ، جبر کی قدرت نہیں
بے وفا کے گھر ، بہ امیدِ وفا جاتا ہوں میں

بحرِ رمل مثمن مزاحف

•

دورانِ سفر میں ہیں رہرو، پایانِ سفر معلوم نہیں
رہبر کو رُخِ منزل تو کجا، خود راہگزر معلوم نہیں

یہ چاند کا رنگیں دھوکا ہے، یا سیح رخِ نُور کا تڑکا ہے
افسوس ابھی اتنا بھی تمہیں مرغانِ سحر معلوم نہیں

طوفان فضا میں چھا تو گیا، موجوں میں تلاطم آ تو گیا
اب دیکھیے ٹکرا جائے کہاں مڑ جائے کِدھر معلوم نہیں

اک ٹیس سی تڑپا جاتی ہے اک برق سی لہرا جاتی ہے
کیا کہیے کہ سینے میں زخمی، دل ہے کہ جگر معلوم نہیں

لاریب کہ صبحِ صادق کا دنیا میں تو بَرحق ہے آنا
البتہ ہمارے جیتے جی آئے گی سحر معلوم نہیں

ہر چند کہ ہو تم ہم سے خفا، اوروں کی طرف رُخ ہے بھی تو کیا
کیا ہم کو تمہاری آنکھوں کی افتادِ نظر معلوم نہیں

اُٹھتے نہیں دل کی سمت قدم، کرتے ہو طواف دیر و حرم
اللہ کے بندو تم کو بھی، اللہ کا گھر معلوم نہیں

مانا کہ افق پہ کرن پھوٹی، دنیا ئے چمن بیدار ہوئی
آغازِ سحر معلوم سہی، انجامِ سحر معلوم نہیں

حیرتؔ انھیں انساں کیوں سمجھا، اب ہیں وہ پری اب کیا شکوہ
جب حُسن جواں ہو جاتا ہے لگ جاتے ہیں پَر معلوم نہیں

●

بحرِ متدارک مکرر مزاحف

(۶۰)

پیتے ہیں محتسب بھی اکیلے ہمیں نہیں
لیکن وہ پی کے گھر سے نکلتے کہیں نہیں

اُٹھ اے نگاہِ ناز ترے انتظار میں
کتنی قیامتیں ہیں جواب تک اُٹھیں نہیں

فرقِ نیاز و ناز اٹھا کر رہیں گے ہم
یا آج سنگ در ہی نہیں یا جبیں نہیں

انجم ہیں فرشِ راہ تو ٹھوکر میں مہر و ماہ
اک آسمان ہے ترے گھر کی زمیں نہیں

تیرے حریم ناز کے پردوں کو چھو سکے
اتنی تو عقل کی بھی نظر دُور بیں نہیں

ہندو بھی ہیں مرید مسلمان بھی مرید
ساقی کی بزم، معرکۂ کفر و دیں نہیں

یاد آ رہی ہیں آج پشیمانیوں کے ساتھ
وہ لغزشیں جو ہم سے جوانی میں کیں نہیں

دُنیا حسین ہے جو نگاہیں حسین ہیں
دُنیا حسیں نہیں جو نگاہیں حسین نہیں

یہ شاعرانِ عصر یہ فنکار یہ ادیب
سب عہد آفریدہ ہیں عہد آفریں نہیں

چاہوں تو فرشِ عرش بچھا دوں فلک تو کیا
ایسی زمین پر جو غزل کی زمیں نہیں

منزل وہی قدم ہے جہاں ٹوٹ جائے دم
سچ پوچھئے تو عشق کی منزل کہیں نہیں

ننگِ خودی و غیرتِ دل تک مٹا چکے
پھر بھی تمہیں ہماری وفا کا یقیں نہیں

آج اس شجر پہ رات تو کل اُس شجر پہ دن
اپنے ہی آشیاں میں عنادل مکیں نہیں

حیرتؔ مرا کلام تو الہام ہے ضرور
لیکن مری کتاب کتابِ مبیں نہیں

●

بحر مضارع مثمن مزاحف

(۶۱)

تم پہ میرا کوئی حق بھی نہیں دعویٰ بھی نہیں
آج تک میں نے اس انداز سے سوچا بھی نہیں

دل ہے نادان کہ کرتا ہے بھروسہ تم پر
تم تو تم ہو مجھے اب دل کا بھروسہ بھی نہیں

اب یہ لگتا ہے کہ برسوں کی محبّت ہے مگر
اس سے پہلے تمہیں میں نے کبھی دیکھا بھی نہیں

خود جنوں بھی نہیں کچھ مائلِ شوریدہ سَری
اور کچھ حُسن کی جانب سے تقاضا بھی نہیں

پھر بھی تم یاد جوانی کی دلایا نہ کرو!
ویسے تم سے تو کسی بات کا پردہ بھی نہیں

آج جیسے بھی ہیں جو کچھ ہیں غنیمت سمجھو
ورنہ کل بعد ہمارے کوئی اتنا بھی نہیں

ہائے وہ نغمۂ بے صوت جو ہم سن نہ سکے
ہائے وہ جلوۂ بے رنگ جو دیکھا بھی نہیں

دل ملا بھی تو ملا وحشی و آوارہ مزاج
بات سمجھا دہ، تو کم بخت سمجھتا بھی نہیں

ہائے کس ناز کس انداز سے کہتے ہیں کہ ہم
تیرے قاتل بھی نہیں تیرے مسیحا بھی نہیں

اب وہ پوچھیں بھی تو میں کہہ نہیں سکتا کچھ بھی
مجھ میں اب حوصلۂ عرضِ تمنّا بھی نہیں

نگہہ شوق سے پردے کی ضرورت کیا ہے
نگہۂ شوق میں اب تابِ تماشا بھی نہیں

تو اگر اپنی نگاہوں سے گرا دے ساقی
پھر تو حیرت کا کہیں ٹھور ٹھکانا بھی نہیں

●

بحر رمل مثمن مزاحف

(۶۲)

متزلزل ایک زمانہ ہے یہ چمن ہی زیر و زبر نہیں
طلبِ حقوقِ بقاء و کشمکشِ حیات کدھر نہیں

مجھے اب نہیں غمِ آشیاں، ترا شکریہ میرے باغباں
کہ اب اس قفس کدہ چمن کو جُز انقلاب مفر نہیں

سرِ چرخ، جب سحر آئے گی تو زمیں پہ خود نظر آئے گی
یہ فروغِ ماہ و فریبِ شامِ سحر نما ہے سحر نہیں

یہ گرج یہ شور یہ زلزلے ہیں سب انقلاب کے غلغلے
مجھے انقلاب کا انتظار رہے، انقلاب کا ڈر نہیں

شب اگرچہ سخت مہیب ہے، دمِ صبح بھی تو قریب ہے
وہ نظر عجیب و غریب ہے جسے آسماں کی خبر نہیں

مرا خواب، وقت کی تیرگی، مرا ہوش دہر کی روشنی
شب و روز میرے مطیع ہیں، میں مطیع شام و سحر نہیں

مرے اختیار میں وقت ہے، مرا اختیار ہے وقت پر
مہ و مہر میرے غلام ہیں۔ میں غلام شمس و قمر نہیں

کہیں دردِ گُل، کہیں رنگِ گُل کہیں طائران چمن کا غُل
وہ بہار میری نظر میں ہے، جو ہنوز پیشِ نظر نہیں

•

بحرِ کامل مثمن

۶۴

مانا کہ نکمّے ہیں لیکن ہم سے بھی تم اب پانے کے نہیں
ملنا ہے تو مل لو ہم وطنو پھر لوٹ کے ہم آنے کے نہیں

جنّت میں مئے کوثر بھی سہی گلشن بھی سہی دلبر بھی سہی
ہر لطف سہی پھر بھی ساقی ہمسر ترے میخانے کے نہیں

ناصح ہمیں سمجھائے گا کیا کوئی ہمیں بہلائے گا کیا
بہلے تو تمہیں سے بہلیں گے ہر ایک کے بہلانے کے نہیں

کچھ تذکرہ ہے پروانے کا کچھ ذکر ہے اک دیوانے کا
سُن سُن کے جھجکتے ہو تم کیوں ٹکڑے مرے افسانے کے نہیں

ہم رازِ نہانِ الفت ہیں ڈھونڈو نہ ہمیں ہم حیرت ہیں
رہ کر بھی تمہاری آنکھوں میں تم کو ہی نظر آنے کے نہیں

بحر متدارک مثمن مزاحف ●

(۶۴)

یوں دل میں جاگزیں ہے کہ دل کو خبر نہیں
ظالم کی وہ نظر جو بظاہر نظر نہیں

جس کی طرف نظر ہے اُسی پر نظر نہیں
یعنی نگاہِ دوست جدھر ہے اُدھر نہیں

ادراک سے تجلّیٔ جاناں ہے بے نیاز
ہم مُبتلائے کُفر فریبِ نظر نہیں

جس دل میں جس جگر میں تری آرزو نہ ہو
وہ دل بھی دل نہیں وہ جگر بھی جگر نہیں

مردوں سے شرط باندھ کے سوتے ہیں عندلیب
گلشن میں ہے بہار کسی کو خبر نہیں!

دعوت کے انتظار میں ہے موسمِ بہار
بیدار روحِ اہلِ چمن ہی مگر نہیں

یوں ہی اگر یہ دورِ کشاکش نکل گیا
آئے گا پھر یہ وقت یہ دن عمر بھر نہیں

کھائے ہیں دوستی کے فریب اس قدر کہ اب
ڈرتا ہوں دوستوں سے حریفوں کا ڈر نہیں

گویا نمودِ پرتوِ آئینہ ہے جہاں
یعنی جو کائنات ہے اِدھر ہے اُدھر نہیں

کیا کیجئے کہ ہے دلِ مشتاق بے قرار
کیا دیکھئے کہ آنکھ میں تابِ نظر نہیں

حیرتؔ وہ مہرباں ہیں جب خاص و عام پر
کوئی تو بات ہے جو کرم آپ پر نہیں

بحر مضارع مثمن مزاحف ●

(۶۵)

حیرت جمالِ یار کے جلوے کہاں نہیں
دل میں نہاں نہیں کہ نظر سے عیاں نہیں

نظروں سے مت گرا مجھے تفرقوں سے مت گرا
پیرِ مُغاں نہیں مرے پیرِ مغاں نہیں

اب ہم ہیں اور بزمِ تصوّر کی مستیاں
دنیا سمجھ رہی ہے جہاں ہم وہاں نہیں

بے پردہ تعینِ ہستی بھی اُٹھ گیا
اب کوئی پردہ میرے ترے درمیاں نہیں

دل کو تری نگاہ سے ہے ارتباطِ خاص
لیکن بہ رنگِ رابطۂ جسم و جاں نہیں

دشمن تو اپنی وضعِ جفا پر ہیں برقرار
مانا کہ التفاتِ دلِ دوستاں نہیں

دل کے عوض تو مفت ہے گو یا رضا دوست
کونین کے عوض بھی یہ سودا گراں نہیں

دل کیا کرے اب اُن کی نظر سے مقابلہ
ان کی نظر میں حوصلۂ امتحاں نہیں

صیّاد کی نظر سے قفس بن کے رہ گیا
اب میرا آشیاں بھی مرا آشیاں نہیں

بجلی سی کوند جاتی ہے رگ رگ میں بار بار
میں کیا کہوں کہ درد کہاں ہے کہاں نہیں

تم مہرباں تھے تو سبھی مہرباں تھے
تم مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

دل ہے سدا بہار بہ فیضِ نگاہِ یار
حیرت ہمارے باغ کو خوفِ خزاں نہیں

●

مضارع مثمن مزاحف

(٦٦)

وہ پھر بن ٹھن کے آج آئے ہیں پھر گیسو سنوارے ہیں
محبت کے مزے ہیں عاشقوں کے وارے نیارے ہیں

انھیں کیا دیکھتے ہو چارہ سازو استعارے ہیں
یہ زخمِ دل نہیں اک دشمنِ دل کے اشارے ہیں

یہ باتیں حُسنِ لیلیٰ کی یہ قصّے عشقِ مجنوں کے
کچھ افسانے تمہارے ہیں کچھ افسانے ہمارے ہیں

فرشتے لے گئے چُن کر، زمیں سے آسمانوں پر
مرے آنسو، جو اب شاہوں کی قسمت کے ستارے ہیں

بڑے دعوے تھے جن کو بے گُناہی پارسائی کے
تری انگڑائیوں کی زد پہ آئے ہیں تو ہارے ہیں

یہ شرمیلی نظر دُنیا جسے معصوم کہتی ہے
اسی نے تیرِ نشترِ دل کی رگ رگ میں اُتارے ہیں

ہم آغوشی میں کس نے پہل کی تھی تم نے یا میں نے
انھیں سے پوچھ لو، یہ بام و در یہ چاند تارے ہیں

یہ حسن و عشق کیا جانیں نسیم ان کو نہ چھیڑا کر
یہ ننھے بے زباں غنچے، ابھی معصوم کنوارے ہیں

اب اُن کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے
نہ پوچھو کیسے کیسے معرکے ہم نے بھی مارے ہیں

پری زادوں کے جمگھٹ میں نظر جمتی نہیں حیرت
ہزاروں زہرہ پیکر ہیں تو لاکھوں ماہ پارے ہیں

بحر ہزج سالم مثمن

●

(۶۷)

پھیلا تو رہے ہیں زہر۔ مگر اکسیر کی باتیں کرتے ہیں
تخریب چمن کرنے والے، تعمیر کی باتیں کرتے ہیں

ہم آن پہ خود مر مٹتے ہیں، نو مشق ستمگر کیوں ہم سے
تیغ و تبر و دار و رسن و زنجیر کی باتیں کرتے ہیں

شمشیر سے خونی رشتہ ہے، ناموس پہ مرنے والوں کا
شمشیر سے ڈرنے والے ہی شمشیر کی باتیں کرتے ہیں

آپس کے تصادم سے ہم خود، نقصان اٹھا لیتے ہیں جب
قسمت کی شکایت کرتے ہیں تقدیر کی باتیں کرتے ہیں

کس منہ سے کریں صیادوں کی تذلیل و اہانت کا شکوہ
جذبات میں جب ہم اپنی ہی تحقیر کی باتیں کرتے ہیں

ناتجربہ کاری آجاتی ہے چکنی چپڑی باتوں میں
ظلمات میں لے جانے والے تنویر کی باتیں کرتے ہیں

تصویر بنانے والے کو حیرت کوئی یاد نہیں کرتا
صورت کے پجاری دیوانے تصویر کی باتیں کرتے ہیں

بحر متدارک مزاحف مکرر

(۶۸)

وہی ہم وہی غم کی تنہائیاں ہیں
تصوّر کی ہنگامہ آرائیاں ہیں

اُدھر حسن صبر آزمائے وفا ہے
اِدھر عشق کی ناشکیبائیاں ہیں

جِلانے کی خاطر مٹایا ہے مجھ کو
انوکھی نرالی مسیحائیاں ہیں

اُسے چین کیوں آئے جس کی نظر میں
تمہاری جوانی کی انگڑائیاں ہیں

نہیں خود حقیقت میں موجود کوئی
تری ذات کی سب یہ پرچھائیاں ہیں

نہ معشوق ظالم نہ مظلوم عاشق
یہ حیرت کی سب خامہ فرسائیاں ہیں

بحر متقارب سالم مثمن

(۷۹)

بام و در ۔ خون میں نہاتے ہیں — ایسے ایسے بھی وقت آتے ہیں
انقلابات خود نہیں آتے — انقلابات لائے جاتے ہیں
تم تو خوب آزما چکے ۔ ہم کو — ہم بھی اب تم کو آزماتے ہیں
کل صبائیں، پیام لاتی تھیں — آج طوفاں پیام لاتے ہیں
رزق کھانے کو جب نہیں ملتا — آدمی آدمی کو کھاتے ہیں
جام پیتے ہیں خونِ ساقی کا — بادہ کش، ہوش میں جب آتے ہیں
آج بندوں کے در پہ، کتنے خدا ق — ووٹ کی بھیک لینے آتے ہیں
پھر خدائی کے عرش پر جا کر — انھیں بندوں پہ قہر ڈھاتے ہیں

اشک، پانی سہی، مگر حیرتؔ
وقت بے وقت کام آتے ہیں!

●

بحر خفیف مسدس مزاحف

۷۰

مجھ سے ملنے سے وہ انکار تو کیا کرتے ہیں
ابھی تھوڑا سا تکلف ہے حیا کرتے ہیں

رند جب گفتگوئے بے سر و پا کرتے ہیں
جوش میں راز خرابات کہا کرتے ہیں

لو مبارک، کہ بعنوان تقاضائے شباب
اب وہ تکلیفِ ستم نام خدا کرتے ہیں

دل نہیں، دل میں ہیں ظالم کی نگاہیں بیمار
چارہ گر کیوں دلِ ناداں کی دوا کرتے ہیں

جب جوانی تھی تو جینے کے مزے آتے تھے
اب تو جیتے نہیں۔ اک فرض ادا کرتے ہیں

میکشو ساغر و پیمانہ مبارک ہو تمہیں
ہم تو ساقی کی نگاہوں سے پیا کرتے ہیں

اپنے ماتھے پہ فلک ان کو لگا لیتا ہے
میری آنکھوں سے ستارے جو گرا کرتے ہیں

انتہا ہو گئی، مجبوری و ناچاری کی
کہ ہم اغیار سے اظہارِ وفا کرتے ہیں

عبرت آموز. وہ نیرنگ جہاں ہوتا ہے
جس میں سفلوں کی اطاعت شرفا کرتے ہیں

آہ وہ ماضیِ مرحوم کہ لیتے تھے خراج
ہائے یہ حالِ پریشاں. کہ دعا کرتے ہیں

ہو چکی تم سے خیابانِ چمن کی تنظیم
لاؤ ہم فیصلۂ ارض و سما کرتے ہیں

آپ اور رہروئیِ منزلِ ماہ و مریخ
لوگ اس آشفتہ حواسی پہ ہنسا کرتے ہیں

پوچھیے ہم سے کہ بے منت برق و جوہر
اوجِ مافوق سے سیرِ دو سرا کرتے ہیں

نغمہ زن ہوتے ہیں بزمِ شعرا میں حیرتؔ
یا کوئی شعبدۂ ہوش رُبا کرتے ہیں

بحرِ رمل مثمن مزاحف ●

۷۱

سنو تم تو دل کے فسانے بہت ہیں
نئے کم ہیں لیکن پرانے بہت ہیں

جو تم نے بھی اک حشر اُٹھایا تو کیا ہے
ہمیں بھی تو محشر اُٹھانے بہت ہیں

گرفتار کو جب مٹانا ہی ٹھہرا
تو مشقِ ستم کے بہانے بہت ہیں

خرابی ہے تجدید کا پیش خیمہ
ابھی مرحلے پیش آنے بہت ہیں

یہ ہلکا سا چرکہ بھی ہے کوئی چرکہ
ہمیں تو ابھی زخم کھانے بہت ہیں

مجھی کو نہیں سر جھکانے کی عادت
جھکانے کو سر آستانے بہت ہیں

جہاں زندگی ہو وہ منزل ہے منزل
سسکنے کو یوں تو ٹھکانے بہت ہیں

وہیں ہے ہمارا بھی گھر جس چمن میں
محل کم ہیں، محتاج خانے بہت ہیں

نہ اِترا اے امروز پر عہدِ حاضر
ابھی آنے والے زمانے بہت ہیں

مبارک ہو زر مغربی تاجروں کو
ہمیں اپنے گھر کے خزانے بہت ہیں

اگر بزم ہو جائے سُننے پہ مائل
سُنانے کے قابل ترانے بہت ہیں

کسی اور جانب بھی اے برق رُخ کر
لگانے کو آگ آشیانے بہت ہیں

●

بحرِ متقارب سالم مثمن

وہ بھی دوچار اب اُن کی نگاہوں کی زَد سے ہیں
اب تک بچے ہوئے جو فریبِ خرد سے ہیں

مال و متاع سے نہ شمار و عدد سے ہیں
ہم باوقار صرف خدا کی مدد سے ہیں

اب دیکھئے کہ تابِ نظر لائے کون کون
آئے تو بزم میں وہ بڑے شد و مد سے ہیں

یا کل اسی دیار کے ہم تاجدار تھے
یا آج اسی دیار میں ہم نابلد سے ہیں

جو کوہ ہیں وہ ہیں غمِ طوفاں سے بے نیاز
جو کاہ ہیں وہ زیر و زبر جزر و مد سے ہیں

ان رہبروں کی راہ بری سے خدا بچائے
رہبر بنے جو راہزنوں کی سند سے ہیں

دامن میں لے کے گوہرِ شبنم چمن کے پھول
شرمندہ گلستاں میں ترے خال و خد سے ہیں

منزل کریں گے جا کے وہ معراج وار پر
آگے بڑھے ہوئے جو قدم اپنی حد سے ہیں

بڑھتی ہے اِن سے رونقِ دنیائے رنگ و بو
نیرنگیاں جو کشمکشِ نیک و بد سے ہیں

فتنے خجل ہیں تیری اداؤں کے سامنے
نادم قیامتیں ترے قامت سے قد سے ہیں

اُن کی نگاہِ ناز میں حیرت سما کے ہم
کتنے بلند بزمِ جنون و خرد سے ہیں

•

بحر مضارع مثمن مزاحف

نظارہ ہو گیا تو نظر پھر نظر کہاں | اُن کی خبر ملی تو پھر اپنی خبر کہاں
ہاں وحشیو یہی ہے بہارِ جنوں کا وقت | آتا ہے روز موسمِ دیوانہ گر کہاں
گلشن میں لاکھ سلسلۂ جنباں ہو فصلِ گل | اہلِ جنوں میں جرأتِ وحشت مگر کہاں
ممکن نہیں گناہ بھی توفیق کے بغیر | مرتے ہوؤں میں ولولۂ شور و شر کہاں
ہم اور سیرِ منزلِ دور از قیاسِ دوست | اتنی دراز زندگیِ مختصر کہاں
رستہ بھی اپنا آپ بناتے ہیں اہلِ دل | دنیا کے دل میں راہ کہاں راہبر کہاں
فردوسِ صد بہار بداماں سہی مگر | یہ روز و شب یہ کشمکشِ خیر و شر کہاں
خاکِ چمن پہ صبح تو کنجِ قفس میں شام | ہم دست و پا شکستہ اسیروں کا گھر کہاں

حیرتؔ کلامِ نغز ہو کتنا ہی شعلہ ریز
بے گور میتوں کے دلوں پر اثر کہاں

•

بحرِ مضارع مثمن مزاحف

(۷۴)

آج ممنوع ہے شراب کہاں — نظر آتا ہے احتساب کہاں
آج ہی کا ہے، کل شباب کہاں — آئے گا پھر یہ انقلاب کہاں
چاند بھی ہے حسین، گل بھی حسین — آدمی کا مگر جواب کہاں
غنچہ معصوم ہے، نسیم نہ چھیڑ — ابھی چھونے کی اس میں تاب کہاں
سالہا سال سے ہے رات ہی رات — سو گیا جا کے آفتاب کہاں
پی گئے شیخ! شربتِ انگور — کہئے۔ اس وقت ہیں جناب کہاں
کیا کہوں۔ مجھ سے پوچھتے ہیں لوگ — لٹ گئی دولتِ شباب کہاں
آپ بھی بے حجاب تھے۔ میں بھی — دیکھنے جاؤں اب وہ خواب کہاں
آگیا ہے تو مرحبا کہئے — روز آتا ہے انقلاب کہاں
بوئے مے تجھ سے آرہی ہے صبا — ہو کے آئی ہے تو خراب کہاں

اب بھی ملتے ہیں وہ مگر حیرتؔ
وہ ملاقاتِ کامیاب کہاں

بحر خفیف مسدس مزاحف

●

(۷۵)

تجھے آپ میں دیکھنا چاہتا ہوں
فنا ہو کے تجھ میں بقا چاہتا ہوں

نظر سے مِلا دے لبوں سے جِلا دے
بہر حال تیری رضا چاہتا ہوں

بس اے لطفِ نا آشنا بس کہ اب میں
خود اپنی نظر سے گِرا چاہتا ہوں

محبت میں دیوانہ ہونے کی خاطر
نگاہِ خِرَد آزما چاہتا ہوں

تری آنکھ پھر جائے میری طرف سے
کسی کو جو تیرے سوا چاہتا ہوں

وہ ہلکا سا فردوس پرور تبسّم
ترے لب پہ پھر دیکھنا چاہتا ہوں

تغافل بھی مجھ کو گوارا ہے لیکن
بہ عنوانِ ترکِ جفا چاہتا ہوں

تسلّی نہیں مجھ کو مل کر بھی تم سے
خدا جانے اب اور کیا چاہتا ہوں

زمانہ بدلتا رہے رنگ حیرتؔ
بہ ہر لحظہ عالم نیا چاہتا ہوں

●

بحر متقارب سالم مثمن۔

(۷۶)

جلوۂ یار سے معمور ہوا جاتا ہوں!
طور سے برقِ سرِ طور ہوا جاتا ہوں

غالباً منزلِ جاناں کے قریب آپہنچا
اپنی ہستی سے جو میں دور ہوا جاتا ہوں

اب نہ کر مشقِ ستم او ستم ایجاد کہ میں
خوئے تسلیم پہ مغرور ہوا جاتا ہوں

تیری آنکھوں کی قسم تیری نگاہوں کی قسم
بے پیئے آج تو مخمور ہوا جاتا ہوں

اے فلک اُنکا اشارہ ہے، تو مجبور ہوں میں
ورنہ تجھ سے کہیں مجبور ہوا جاتا ہوں

جس قدر حوصلۂ سعیِ عمل بڑھتا ہے
اور تقدیر سے مجبور، ہوا جاتا ہوں

حُسن کو عشق کا آئینہ بنانا ہے مجھے
حیرتِ نرگسِ مخمور، ہوا جاتا ہوں

•

بحرِ رمل مثمن مزاحف

۷۷

یہ جلوؤں کے پردے اٹھاؤ تو جانیں — نگاہوں کے پردوں میں آؤ تو جانیں
یہ غمزے، یہ تیور، یہ نشتر، یہ خنجر — کسی اور پر آزماؤ تو جانیں
بڑے آئے ہم سے خفا ہونے والے — کسی اور سے روٹھ جاؤ تو جانیں
بہارِ جوانی پہ اترانے والو! — فریبِ جوانی نہ کھاؤ تو جانیں
تصور میں آنا بھی ہے کوئی آنا! — کبھی چھپ کے خلوت میں آؤ تو جانیں
زمانے کے طوفاں میں خود بہنے والو — زمانے پہ بجلی گراؤ تو جانیں
جو پل بھر میں دنیا کی کایا پلٹ دے — اک ایسی قیامت اُٹھاؤ تو جانیں
زمیں ہنس پڑے آسماں مسکرا دے — اس انداز سے مُسکراؤ تو جانیں

نہاں ہے تمہاری ہی آنکھوں میں حیرت
تم اب بھی اُسے ڈھونڈ لاؤ تو جانیں!

•

بحر متقارب سالم مثمن

کرتے نہیں وہ مجھ سے کوئی بات کیا کروں
یہ رنگ ہے تو اُن سے ملاقات کیا کروں

آجائیں بھی جو پھر سے جوانی کے رات دن
تیرے بغیر لے کے وہ دن رات کیا کروں

مجھ کو تباہ کر کے جوانی چلی گئی!
اللہ اب تلافئ مافات کیا کروں

کرتا نہیں وہ بات ہی کرنی ہے جس سے بات
جو اجنبی ہیں اُن سے کوئی بات کیا کروں

ناراض ہو زمین کہ برہم ہو آسماں
قابو میں اب نہیں مرے جذبات کیا کروں

ڈر ہے کہ پی نہ جائے کسی دن مجھے شراب
اس کا علاج پیرِ خرابات کیا کروں

عہدِ شباب میں تھا ملاقات کا مزہ
حیرتؔ کسی سے اب میں ملاقات کیا کروں

●

بحر مضارع مثمن مزاحف

(۷۹)

اُتریں جب آسماں سے بلائیں تو کیا کریں
فتنے زمیں پہ ہم نہ اٹھائیں تو کیا کریں

صوبے میں دھاندلی نہ چلائیں تو کیا کریں
مرکز میں مختلف ہوں جو رائیں تو کیا کریں

جمہوریت میں ہو گئے آزاد راہ زن
رہرو پھر انقلاب نہ لائیں تو کیا کریں

رشوت دیئے بغیر ترقی نہ جب ملے
رشوت خود اہلِ کار نہ کھائیں تو کیا کریں

آوارگی کا نام ہے آزادیٔ عوام
خونِ عوام اب نہ بہائیں تو کیا کریں

حیرتؔ جدیدیوں کے کسی اجتماع میں
جائیں تو کیا سنائیں نہ جائیں تو کیا کریں

بحر مضارع مثمن مزاحف •

(۸۰)

حیرت چلو پھر اُن کا سچ جھوٹ آزمالیں!
پھر سے امید باندھیں پھر سے فریب کھائیں

ایسے میں رستگاری پائیں تو کیسے پائیں!
جتنے ہیں اہلِ گلشن اُتنی ہی اُن کی رائیں

کب تک سہیں جفائیں کب تک کریں وفائیں
آؤ کہ عاشقی کا دستور نو بنائیں

موسم بتا رہا ہے وہ دن اب آرہا ہے
وہ زار زار روئیں ہم قہقہے لگائیں

کچھ ہم صفیر بلبل گلچیں سے مل گئے ہیں
ڈر ہے کہیں عنادل دھوکے میں آنہ جائیں

اُتنا ہی یاد آئے جتنا اُنھیں بھلایا
کوئی بتاؤ کیسے ہم اُن کو بھول جائیں

تم تھے تو غنچہ غنچہ فردوس رنگ و بو تھا
اب تم نہیں تو گلشن کرتا ہے بھائیں بھائیں

طوفان زندگی کا ہمراہ لا رہی ہیں
یہ پوربی ہوائیں۔ یہ پچھمی گھٹائیں!

فطرت سے آدمی بھی مجبور ہے خطا پر
مجبور آدمی کی فطرت میں ہیں خطائیں

ہم بھی برنگِ گل ہیں مجبورِ شادی و غم
موسم پہ مضمحل ہوں موسم پہ مسکرائیں

میری طرف سے حیرتؔ یاروں کو ہے اجازت
الفاظ بھی اڑائیں مضمون بھی چرائیں

بحر مضارع مثمن مزاحف

(۸۱)

بللہ غمِ عشق کا احساس مٹا دو
دیوانہ بنا دو مجھے دیوانہ بنا دو

تم بُت تھے، تمہیں بُت سے خدا میں نے بنایا
میری نگہِ شوق کے جادو کو دُعا دو

دُنیا ہو کہ عقبیٰ ہو، جہنم ہو کہ جنت
اِن راہزنوں کو مرے رستے سے ہٹا دو

شمعیں ہوں شرارے ہوں ستارے ہوں کہ جگنو
شب زادۂ و شب تاب ہیں ان سب کو بجھا دو

کل آج کی قدریں بھی مٹا دیگا زمانہ
تم شوق سے ماضی کی روایات مٹا دو

زاہد کو ابھی تک نہ ملی منزلِ عرفان
رِندو، اِسے رستہ درِ ساقی کا بتا دو

دُو آتشہ میں بھی نہ رہی تلخی دُ تیزی
دُو زخ ہی کوئی گھول کے ساغر میں پلا دو

اِس دَور میں اِک دِل کے ہیں سَو حُسن خریدا
قَیسوں سے کہو، نرخِ جنوں اور بڑھا دو

رحمت کے بھروسے پہ گزاری تھی جوانی
حاضر ہے گنہگار، جزا دو کہ سزا دو

حیرت نے تمہیں حُسن کی تصویر بنایا
تم بھی اُسے آئینۂ تصویر، بنا دو

بحرِ ھزج مثمن مزاحف

۸۲

وہی جوشِ و رنگین بیانی تو دیکھو
یہ پیری میں میری جوانی تو دیکھو

مرا جذبۂ شعر خوانی تو دیکھو
بیانِ نکات و معانی تو دیکھو

بتوں کا غرورِ جوانی تو دیکھو
خدا بن گئے لن ترانی تو دیکھو

وہ فرما گئے آنکھوں آنکھوں میں سب کچھ
یہ خاموش جادو بیانی تو دیکھو

محبت میں آسان ہے موت لیکن
مری جرأتِ زندگانی تو دیکھو

ہر اک سانس شعلہ ہر اک آہ بجلی
اسیروں کی آتش بجانی تو دیکھو

نہ ملنے کی الٹی شکایت مجھی سے
جفا کار کی مہربانی تو دیکھو

سلامت رہے دین ایمان کیسے
ذرا ان کی کافر ادائی تو دیکھو

خود اپنی نظر سے بھی اب گر رہا ہوں
زمانے کی ناقدردانی تو دیکھو

بحر متقارب سالم مثمن

(۸۳)

ایک جانب ہے پیرِ حرم دوستو ایک جانب ہے پیرِ مغاں دوستو
اب نمازی بنوں یا شرابی بنوں پڑ گئی کس مصیبت میں جاں دوستو
جانتا ہوں محبت میں جاتا ہے دل مانتا ہوں کہ جاتی ہے جاں دوستو
کیا بتاؤں کہ میں کھا چکا ہوں قسم دے چکا ہوں کسی کو زباں دوستو
ایک دن ہو گیا تھا کہیں سامنا ہائے وہ سامنا ہی غضب ہو گیا
وہ بھی رسوا ہوئے میں بھی رسوا ہوا بات پہنچی کہاں سے کہاں دوستو
مجھ کو معلوم ہے دوستوں کی وفا دوستوں سے پڑا ہے مجھے سابقہ
دوستی کے فسانے بہت سن چکا اب نہ کھلواؤ میری زباں دوستو
ان حسینوں سے اچھی نہیں دوستی دوستی میں چلاتے ہیں دل پر چھری
دل لگانا نہیں ہے کوئی دل لگی الاماں الاماں الاماں دوستو
غم ہزاروں ہیں اور اک دلِ ناتواں ہم کہاں تک اٹھائیں یہ بارِ گراں
آؤ اب دل سے کچھ بوجھ ہلکا کریں پی کے ایک ایک رطلِ گراں دوستو

میں نے دیکھا تو اٹھلا کے شرما گیا، دل میں گھر کر گیا جان تڑپا گیا
آن کی آن میں کیا غضب ڈھا گیا۔ کون تھا وہ بتِ نوجواں دوستو
لوگ کہتے ہیں مجھ سے کہ بولو ہنسو اس قدر مضمحل کیوں ہو، باتیں کرو
کیا کروں دل پڑا ہے خرابات میں جام و ساغر میں رکھی ہے جاں دوستو
محوِ حیرت ہے محفل مجھے دیکھ کر کہہ رہے ہیں یہ اربابِ فکر و نظر
ہو رہا ہے سخن ور تو بوڑھا مگر، شاعری ہو رہی ہے جواں دوستو

بحر متدارک سالم مکرر

حسینوں کی الفت میں دھوکہ نہ کھانا یہ ہیں سر سے پا تک حقیقت میں جادو
ادائیں طلسمات باتوں میں افسوں نگاہوں میں تسخیر صورت میں جادو

کوئی آفتِ دل، کوئی دشمنِ جاں، کوئی فتنۂ دہر و سفاکِ دوراں
بھرا ہے مگر دستِ قدرت نے اُن خوبصورت بلاؤں کی فطرت میں جادو

بظاہر تو لطف و کرم کی نظر تھی، مگر اُن کے دل کی مجھے کیا خبر تھی
کہ وہ کر رہے ہیں تکلف کے پردے اٹھا کر محبت محبت میں جادو

کسی کو دیا غم کسی کو مسرت، کسی کو ہوس دی کسی کو محبت
مگر لکھ دیا کارسازِ ازل نے حسیں دلرباؤں کی قسمت میں جادو

مرے دل کی جادوگری کو دعا دو کہ تم خود فسوں گر بنے پھر رہے ہو
تکلم میں جادو، تبسم میں جادو، جوانی میں جادو، شرارت میں جادو

وہ ہیں آج غصے میں آئے ہوئے سے، وہ ہیں آج کچھ تاؤ کھائے ہوئے سے
خدا جانے اب حشر کا حشر کیا ہو چلانے چلے ہیں قیامت میں جادو

غزل حسن کے قابو میں رہتے نہیں، دل تڑپتی ہے بسمل کی مانند محفل
خدا کے لئے شاعری چھوڑ حیرت کہ جائز نہیں ہے شریعت میں جادو

بحر متقارب سالم مکرر

OSMANIA UNIVERSITY
LIBRARY
HYDERABAD-1

(۸۵)

چمن اور اُن کے قدم اللہ اللہ
بہارِ ارم در ارم اللہ اللہ

اداؤں میں شوخی نگاہوں میں مستی
نہ حد سے زیادہ نہ کم اللہ اللہ

یہ با وصفِ نادانی و سادہ لوحی
جوانی کا جاہ و حشم اللہ اللہ

تمہیں دیکھ کر کہہ اُٹھے بے محابا
سب اصنامِ بیت الصنم اللہ اللہ

جوانی کی مستی میں یہ لڑکھڑاتے
کسی کے شرابی قدم اللہ اللہ

یہ نیرنگیٔ حُسن کے رنگ ہے ہے
ستم توبہ توبہ - کرم اللہ اللہ

پھر ان کی نگاہوں نے بدلے ہیں تیور
پئے انقلابِ اُمم اللہ اللہ
ملاقات بھی عشرت افزا ہے لیکن
تصوّر کی دنیائے غم اللہ اللہ
سزاوارِ پیری نہیں عشق جرأت
بس اب کیجئے محترم۔ اللہ اللہ

بحرِ متقارب سالم مثمن

(۸۶)

جاتے نہیں جب جان و دِل و عشرت و غم ساتھ
پھر کیوں چلیں احباب بھی چالیس قدم ساتھ

دِل میں لیے پھرتا ہوں صنم خانۂ دنیا
کہتا ہوں کہ اللہ کا رکھتا ہوں حرم ساتھ

کتنا ہی گرائیں وہ ہمیں اپنی نظر سے
حیرتؔ مگر اُس یار کا چھوڑیں گے نہ ہم ساتھ

بحر ہزج مثمن مزاحف

(۸۷)

شبِ تیرہ کے ساتھ ہی ختم ہوا پروانہ و شمع کا افسانہ
اب دورِ سحر ہے گلشن میں گُل شمع ہے بلبل پروانہ

دیکھیں تو کہ ساقی و پیرِ مغاں بھاگینگے کدھر جائینگے کہاں
جب بادہ کشوں نے گھیر لیا ہے چاروں طرف سے مے خانہ

ایسے بھی بہت سے ناری ہیں شیطان صفت جبریل نما
ہر مجرم کو لکھدیتے ہیں فردوس بریں کا پروانہ

اس راہ سے کوئی مسافر بھی منزل تک پہنچ سکتا ہی نہیں
جب مذہب و نسل و وطن کا ہے ایک ایک قدم پر تنجانہ

ہیہات کہ گلچیں کے ہاتھوں برباد ہوئی تنظیم چمن
گلشن پہ برستی ہے وحشت معمورہ بنا ہے ویرانہ

اب میکدۂ عرفاں میں بھی ہر رند سے ساقی لیتا ہے
جاگیرِ ارم کا بیعانہ اور پیرِ مغاں کا نذرانہ

بے مرحلۂ یک لمحہ ابھی آتی ہے بہارِ آزادی
زنداں کا ہر اک دیوانہ اگر ہو جائے مکمل دیوانہ

انساں اُبھر سکتا ہی نہیں جب تک نہ بدل جائیں بالکل
ماضی کی روایاتی قدریں صدیوں کا پرانہ پیمانہ

واعظ ہو کہ ساقی دونوں سے انکار کی ہمت مجھ میں نہیں
جاری ہے اوسی لب پر توبہ جس لب سے لگا ہے پیمانہ

اب فرقہ پرست ہمیں حیرت کر بھی دیں نظر انداز اگر
مستقبل کے اربابِ نظر لکھیں گے ہمارا افسانہ

بحرمتہ ارک کمور مرزا حیف

۸۸

آپے سے نہ باہر ہوں جناب اور زیادہ
اب مجھ میں نہیں صبر کی تاب اور زیادہ

دیکھا کرے تو وصل کے خواب اور زیادہ
پروان چڑھے ترا شباب اور زیادہ

لے آئے ہیں ایمان ترے مصحفِ رُخ پر
پڑھ لیں گے چلو ایک کتاب اور زیادہ

تلخی نہ رہی مئے میں تو پینے کا مزا کیا
اللہ ملاؤ نہ گلاب اور زیادہ

مر جاؤں گا واعظ مجھے دو گھونٹ پلا دے
لے جان بچانے کا ثواب اور زیادہ

میں ایک ہوں تو ایک ہے عشق ایک ہے حسن ایک
آتا ہی نہیں مجھ کو حساب اور زیادہ

تم مست نگاہوں سے مجھے مست کئے جاؤ
ہوتے تو مرا حال خراب اور زیادہ

ہوتا رہا قیمت میں اگر یوں ہی اضافہ
بڑھ جائیگی قدرِ مئے ناب اور زیادہ

اب زہر پلا کر ہی سُلا دے مجھے ساقی
اب پی نہیں سکتا میں شراب اور زیادہ

چھلکے تیری مخمور نگاہوں سے گلابی
کھِلتے رہیں چہرے کے گلاب اور زیادہ

اظہارِ تمنا پہ پشیمان ہوں حیرت
کرنے لگے وہ مجھ سے حجاب اور زیادہ

بحر ھزج مثمن مزاحف

(۸۹)

کسی سے بھی بلندی عشق کی جانی نہیں جاتی
خرد بھی ماورائے حدِ امکانی نہیں جاتی

اک ایسی بھی حقیقت جلوہ فرما ہے دو عالم میں
جو اپنی بے نقابی پر بھی پہچانی نہیں جاتی

مداوا سے جگر کے زخم بھر جائیں تو بھر جائیں
مگر بیمار کی تکلیفِ روحانی نہیں جاتی

جہاں سے ابتدائے جلوۂ بے رنگ ہوتی ہے
وہاں تک بھی مگر تخیلِ انسانی نہیں جاتی

اُسی کو چاہتا ہے جس نے ٹکڑے کر دیئے دل کے
نہیں جاتی دلِ ناداں کی نادانی نہیں جاتی

بساطِ زندگی کتنی ہی خار آلود ہو لیکن
بساطِ آرزو کی گُل بداماانی نہیں جاتی

شکستوں پہ شکستیں زندگی بھر میں نے کھائی ہیں
مگر پھر بھی تمنّاؤں کی طغیانی نہیں جاتی

تری ہستی بھی وہ ناقابلِ انکار ہستی ہے
وہاں منوائی جاتی ہے جہاں مانی نہیں جاتی

تسلّی پر تسلّی دے رہا ہے باغباں پھر بھی
چمن میں رہنے والوں کی پریشانی نہیں جاتی

کچھ ایسی چھا گئی ہیں عشق کی نیرنگیاں حیرتؔ
کہ مجھ سے بھی اب اپنی شکل پہچانی نہیں جاتی

•

بحر ہزج سالم مثمن

(۹۰)

اگر تنظیمِ صیادوں کے ہاتھوں میں نہیں ہوتی
جہنّم کی یہ بھٹی آج فردوسِ بریں ہوتی

یہ کس پاداش میں آخر فرشتہ بنتا جاتا ہوں
گنہ کرنے کو جی ہوتا ہے اور جرأت نہیں ہوتی

ہمارے پھول بھی اپنی خوشی سے مُسکرا لیتے
اِدھر بھی کچھ عنایت اے بہارِ رودس دہیں ہوتی

شرابِ ارغواں کا دور ہو جاتا تو اے ساقی
فلک بھی لالہ گوں ہوتا زمیں بھی احمریں ہوتی

بنامِ مصلحت بیداد گر تعزیر دیتا ہے
خطا جب کوئی مجھ معتوب پر ثابت نہیں ہوتی

انھیں انجم کو ٹھکراتے ہوئے چلنے کی عادت ہے
ہمارے گھر بھی یارب آسمانوں کی زمیں ہوتی

ذرا میداں میں آنے تو دو بیدار انساں کو
مہمِ امن دیکھیں تو کہ کیسے سر نہیں ہوتی

شبِ تاریک کے مارے ہوؤں میں جان پڑ جاتی
کبھی ایسی بھی اک صبحِ قیامت آفریں ہوتی

نہ جانے کب پھریں گے دن چلی آتی ہے صدیوں سے
محبت سسکیاں لیتی حیات اندوہگیں ہوتی

نظر آتا نہیں امروز بھی. فردا تو کیا حیرت
میسر کاش ہم کو بھی نگاہِ دُور بیں ہوتی

●

بحر ہزج سالم مثمن

۹۱

بے خبر تھا کہ محبت کیا تھی
ورنہ انساں کی جرأت کیا تھی

تم نے تکلیفِ عیادت کیوں کی
اس تکلّف کی ضرورت کیا تھی

ایک خوبی ہو تو میں عرض کروں
کیا بتاؤں کہ وہ صورت کیا تھی

کر دیا جو ہر قابل تو نے
ذرۂ خاک کی قیمت کیا تھی

خود ترے حُسن نے دی دعوتِ عشق
دلِ ناداں کی جہالت کیا تھی

میں نے جیسا اُسے دیکھا سو کہا
کون جانے کہ حقیقت کیا تھی

چاند سے آپ کی تشبیہ غلط
چاند کو آپ سے نسبت کیا تھی

رات کو نیند نہ دن کو آرام
اک قیامت تھی محبت کیا تھی

میں نگاہوں میں چھپا بیٹھا تھا!
آپ کی آنکھ میں حیرت کیا تھی

●

بحرِ رمل مسدس مزاحف

(۹۲)

ٹھوکر ستم ایجاد نے میّت پہ لگا دی
ظالم نے رہا کر کے مجھے پھر سے سزا دی

پابندیٔ آداب وفا کون کرے اب
تمیز ہی جب حسن و محبت کی اٹھا دی

کچھ لاگ فلک کو بھی ہمیں سے ہے کہ بجلی
صیاد کا گھر چھوڑ۔ نشیمن پہ گرا دی

اک فطرتِ مجبور ہے۔ اک جذبۂ مضطر
ناداں ہیں۔ جو کہتے ہیں محبت کو۔ ارادی

چھیڑو نہ مرے دل کو، کہ اک جنبشِ دل نے
معمورۂ ایجاد کی بنیاد، ہلا دی

جلوے کا تو کیا ذکر، کہ پردے نے کسی کے
اک آگ سی دنیا تصور میں لگا دی

آنکھوں نے مرے دل کو جو تیروں سے نوازا
ہر تیر پہ دل نے تری آنکھوں کو دُعا دی

حیرتؔ، لب جاناں کی مسیحا نفسی نے
کچھ اور مری قید کی میعاد بڑھا دی

•

بحر ہزج مثمن مزاحف

(۹۳)

ابھی قضا تو ابھی زندگی نظر آئی
قدم قدم پہ محبّت نئی نظر آئی

خوشی خوشی مرے دل نے کیا وہ غم بھی قبول
کہ جس میں آپ کے دل کی خوشی نظر آئی

خبر نہ تھی کہ قیامت کو دے رہا ہوں دل
مری نگہہ کو بظاہر پری نظر آئی

وہ ایک برقِ تجلّائے کائنات افروز
کہیں خودی تو کہیں بے خودی نظر آئی

نہ گفتنی کہ بہ گفتارِ من، فسانہ شوی
نہ دیدنی کہ بہ دیدار می نظر آئی

پھر اس کے بعد نہ میں تھا نہ میرے ہوش و حواس
مجھے تو بزم میں اک برق سی نظر آئی

وہ بے حجاب ہوئے روشنی سی پھیل گئی
وہ بے نقاب ہوئے زندگی نظر آئی

کشش تو مہر و مہ و شمع و گل میں بھی تھی مگر
ترے شباب میں کچھ اور ہی نظر آئی

ہجوم جلوہ میں حیرت مجھے خود اپنی خودی
کبھی نظر ہی نہ آئی، کبھی نظر آئی

•

بحر مجتث مثمن

(۹۴)

عجلتِ عرضِ تمنّا وجہہِ رسوائی ہوئی
اے دلِ ناداں تجھی سے ناشکیبائی ہوئی

آشیاں کے چار تنکے طُور سے بھی بڑھ گئے
بجلیوں پر بجلیاں گرتی ہیں لہرائی ہوئی

میری ہستی ہے ترے موجود ہونے کی دلیل
میری زیبائی سے تیری جلوہ آرائی ہوئی

گرم ہے بزمِ تصوّر ہستیوں کا جوش ہے
محویت گھیرے ہوئے ہے بے خودی چھائی ہوئی

تم نے دیکھا اک نظر مجھ کو کہ حیرت کر دیا
میں تماشا بن گیا، دُنیا تماشائی ہوئی

●

بحرِ رمل مثمن مزاحف

(۹۵)

یہی کیا اقتضائے موسمِ گُل ریز ہے ساقی
کہ تیری بزم بھی میدانِ رستا خیز ہے ساقی

ابھی تک راستی پر فتنہ انگیزی کی تہمت ہے
ابھی دورِ دروغِ مصلحت آمیز ہے ساقی

ابھی کچھ میکدوں پر میکشوں پر مئے فروشوں پر
وہی نمرود ہے، فرعون ہے چنگیز ہے ساقی

یہ میخانے برائے نام ہیں رندانِ مشرق کے
کہیں جھٹی ہے امریکی کہیں انگریز ہے ساقی

ابھی تک عشقِ فرہادِ جفاکش ہے تہی دامن
ابھی تک حُسنِ شیریں دولتِ پرویز ہے ساقی

ترے ہوتے ہوئے بھی بادہ رنگیں میں آمیزش
یہ ہر عالم ہے تو اپنا آج سے پرہیز ہے ساقی

یہ میخانہ لکھا ہے میرے ہاتھوں کی لکیروں میں
یہ میرا ہے کہ میرے پاس دستاویز ہے ساقی

عبوری دور پر رُک سی گئی ہے گردشِ دُنیا
اب اس رہوار کو بھی حاجتِ مہمیز ہے ساقی

بہا دے ساری دنیا کو مئے رنگیں کی موجوں میں
کہ دُنیا میں بپا ہنگامۂ خوں ریز ہے ساقی

گھٹا ہے یا کسی لیلیٰ نے بھیگے بال کھولے ہیں
فضا کتنی حسیں مخمور و عنبر بیز ہے ساقی

سحر کے ساتھ کیا معلوم کتنے انقلاب آئیں
پلائے جا کہ رفتارِ زمانہ تیز ہے ساقی

دیارِ حیدرآباد آج بھی تیری عنایت سے
دکن کا اصفہان و سنجر و تبریز ہے ساقی

نہ طوفانِ بہار آتا نہ ہم دیوانے ہو جاتے
یہ موسم ہی خرد سوز و جنوں انگیز ہے ساقی

سلف کے اور پیمانے تھے اب ہیں اور پیمانے
یہ گردش حیرت انگیز و تعجب خیز ہے ساقی

بحر ہزج سالم مثمن

(۹۶)

آج وہ چیز نگاہوں سے پلا دے ساقی
مجھ پہ کھل جائیں مشیت کے ارادے ساقی

فتنۂ ہوش سے ہے عافیتِ دہر تباہ
ہوش کی رسم ہی دنیا سے اٹھا دے ساقی

حرف رکھتی ہے خرابات پہ ساری دنیا
ساری دنیا کو خرابات بنا دے ساقی

زندگی ہی اسے کہتے نہیں مرنے والے
زندگی موت کا جب تک نہ مزا دے ساقی

ترا ایما ہو تو میخانے کا ہر خاک نشیں
دھجیاں دامنِ گیتی کی اڑا دے ساقی

جن کو آدابِ خراباتِ مغاں یاد نہیں
موت کی نیند ہی ایسوں کو سلا دے ساقی

ولولے پڑ گئے رندانِ قدح خوار کے سرد
اُن کی سوئی ہوئی روحوں کو جگا دے ساقی

یہ چھلکتے ہوئے ساغر کی تڑپتی موجیں
لے مجھے بھی انھیں موجوں میں بہا دے ساقی

دے کے اب ساغرِ صہبائے خود آگاہ مجھے
مرتبہ مرا فرشتوں سے بڑھا دے ساقی

پھر تو حیرت کا کہیں اور ٹھکانا ہی نہیں
تو اگر اپنی نگاہوں سے گرا دے ساقی

●

بحرِ رمل مثمن مزاحف

(۹۷)

بہا دے آج خونِ برق کی جوئے رواں ساقی
خدا معلوم کل تک ہم کہاں اور تو کہاں ساقی

سناتی ہیں تیری رنگینیوں کی داستاں ساقی
یہ صبح زعفراں ساقی یہ شام ارغواں ساقی

مہ و انجم بھی رقصاں ہوں چلے وہ دور ہاں ساقی
بچھا دے میکدے میں آج فرش آسماں ساقی

پلا ایسی کہ خود پر بھی نہ ہو اپنا گماں ساقی
ابھی تو سوجھتی ہیں سیکڑوں پرچھائیاں ساقی

رگوں میں پھونک دی روحِ شبابِ جاوداں ساقی
جزاک اللہ ۔ خدا کر دے تجھے پیرِ مغاں ساقی

تیری مے میں مجھے ہے یہ کیف یہ رنگینیاں ساقی
مری تخلیق میری روح کی ہے ترجماں ساقی

۹۸

خبر سُنی جو قفس میں بہار آنے کی　نظر میں پھر گئی تصویر آشیانے کی

ہمیں خبر ہے کہ ظالم فریب دیتا ہے　ہمارے دل کو ہے عادت فریب کھانے کی

طلوعِ صبح بھی دیکھا فروغِ ایمن بھی　مگر وہ بات کہاں اُن کے مُسکرانے کی

تری نگاہ کی نیرنگیوں سے کیا نسبت　مری نگاہ میں ہیں گردشیں زمانے کی

مرا وجود بھی اک یادگار ہے حیرتؔ
کسی کی چشمِ فسوں ساز کے فسانے کی

○

بحرِ مجتث مثمن

OSMANIA UNIVERSITY
LIBRARY
HYDERABAD-7

(۹۹)

دل کو مرے دیکھا نہ محبت پہ نظر کی
بے مہر نے دنیائے سکوں زیر و زبر کی

مشتاقِ تماشا کو ضرورت ہے نظر کی
تصویر ہر آئینے میں ہے آئینہ گر کی

جنت میں لگے آگ جہنم میں بہے نہر
اک بوند گرا دوں میں اگر آتشِ تر کی

میرے خس و خاشاک نشیمن کی بدولت
شاخِ شجرِ طور ہے ہر شاخ شجر کی

ہر غنچہ ہے اک عکس مرے عقدۂ دل کا
ہر پھول ہے تصویر مرے زخم جگر کی

محرومیٔ تقدیر پہ رونے لگی شبنم
غنچوں کی تبسم نے خبر دی جو سحر کی

اب زندگی و موت ہے موقوف تمہیں پر
اک آہ بلب درد بدل خاک بسر کی

بے پردہ تجھے دیکھنے والوں کی نظر سے
پوشیدہ نہیں مد نظر سے بھی اُدھر کی

حیرت کی نظر میں بتِ تسخیر نظر ہے
حیرت ہے نظر میں بتِ تسخیر نظر کی

●

بحر ہزج مثمن مزاحف

(۱۰۹)

ہم نے اپنے شوق سے دنیا دلِ ناشاد کی
آپ ہی آباد کی اور آپ ہی برباد کی

اشکِ خوں، آہِ رسا، ناسورِ دل، زخمِ جگر
کیسی کیسی یادگاریں ہیں تمہاری یاد کی

دام اُٹھانے کو کہا، دانے اُٹھا کر لے گیا
زندگی کو پھر ضرورت پڑ گئی صیّاد کی

دیر میں آئی مگر صد شکر باری آ گئی
اب جراحت خوردگانِ خنجرِ بیداد کی

اپنے جی سے کس کو ہے مر مر کے جینے کی ہوس
درحقیقت یہ بھی اک تعمیل ہے ارشاد کی

پا بہ زنجیروں کا مجمع سرفروشوں کا ہجوم
دیکھ کر گم ہو گئی سٹّی ستم ایجاد کی

آجکل صیّاد سے دست و گریباں ہیں اسیر
دیکھئے کس دن صدا آئے مبارک باد کی

زندگی کا حق اُسی کو ہے جو اپنے ہاتھ سے
حلق پر جلّاد کے پھیرے چھری جلّاد کی

آپ کی نظریں سلامت آپ کی آنکھوں کی خیر
جانے دیجئے بات ہی کیا تھی دلِ ناشاد کی

•

بحرِ رمل مثمن مزاحف

(١٠١)

کسی نے پھر نگاہِ ناز بدلی زلفِ برہم کی
طنابیں ٹوٹ جاتی ہیں خراباتِ دو عالم کی

خزاں کا گریہ، ویرانی کا ماتم سسکیاں غم کی
یہ سب شہنائیاں ہیں فصلِ گل کے خیر مقدم کی

اگر رفتار کم ہو جائے میری سعیِ پیہم کی
مکمل ہو نہیں سکتی کبھی تاریخِ عالم کی

زمیں کیا آسماں تک لرزہ بر اندام ہے یارب
خمیرِ آدمی میں کونسی مٹّی فراہم کی

محبت۔ تیرے دیوانے اب اس منزل پہ جا پہنچے
جہاں پر ختم ہو جاتی ہے سرحد راحت و غم کی

یہاں جن و ملک بھی تھے زمیں بھی تھی فلک بھی تھے
بنائے عشق محکم کی تو میرے دل پہ محکم کی

طلوعِ صبحِ رنگیں کی شعاعِ اوّلیں تک ہے
یہ جھلمل چاند تاروں کی یہ آب و تاب شبنم کی

دلِ مجروح کو اب دل نہیں تیرِ نظر کہیے
اُٹھا سکتا نہیں تیرِ نظر تکلیفِ مرہم کی

بدلتا ہے زمانہ کروٹیں میرے اشاروں پر
مری تدبیر سے وابستہ ہے تقدیرِ عالم کی

جُھکا سکتا نہیں سر گردشِ ایّام کے آگے
میرے آگے فرشتوں نے جبینِ بندگی خم کی

زمیں کیا اور زمیں پر اقتدارِ حکمرانی کیا
مہ و خورشید تک اب دسترس ہے ابنِ آدم کی

چمک جاتا ہے جگنو بھی اگر صحنِ گُلستاں میں
سمجھتا ہوں کوئی بجلی قریبِ آشیاں چمکی

ادائے بے رُخی کی بھی یہاں امید کس کو تھی
بہت کی آپ نے چشمِ غلط انداز اگر کم کی

مشیّت نے بدل کر نام اس کا رکھ دیا حیرتؔ
حقیقت تھی جو اک انساں کی صورت میں مجسّم کی

●

بحر ہزج سالم مثمن

(۱۰۲)

یہ غل یہ شور شیں ایک ایک کارخانے کی
علامتیں ہیں یہی انقلاب آنے کی

ہمیں کو سونپ دے اپنی خوشی سے نظم و نسق
اسی میں خیر ہے ساقی شراب خانے کی

ہم انقلاب ہیں طوفاں ہیں رُک نہیں سکتے
ہماری راہ میں کوشش کرو نہ آنے کی

زمانے بھر کی فضائے بسیط میں ہر سو
صدائیں گونج رہی ہیں نئے ترانے کی

بنامِ گلشنِ آزاد ساری دنیا میں
دکھائی جاتی ہے تصویر قید خانے کی

ہمیں خبر ہے کہ ظالم فریب دیتا ہے
ہمارے دل کو ہے عادت فریب کھانے کی

طلوعِ صبح بھی دیکھا، فروغِ ایمن بھی
مگر وہ بات کہاں اِس کے مُسکرانے کی

حصار ٹوٹ چکا ہے اب اڑنے والی ہے
گرا کے شیش محل کو پری خزانے کی

جلا کے میرے نشیمن کو باغبانوں نے
لکھی ہے آگ سے تاریخ آشیانے کی

سحر قریب ہے اب بھیرویں سُنا حیرتؔ
خلافِ وقت نہ گا راگنی شہانے کی

●

بحر مجتث مثمن

شام سے صبح ہو گئی، صبح سے شام ہو گئی
آپ کے انتظار میں عمر تمام ہو گئی

لطفِ جوانی و حیات عشق نے کر دیا تباہ
دن کا سکون رات کی نیند حرام ہو گئی

بنتِ عنب کی آبرو بادہ کشوں میں تھی ہی کیا
میں نے جو منہ لگا لیا خلد مقام ہو گئی

پھینک ہی دی تھی شیخ نے چھین کے بوتل ایک دن
میرے نصیب سے وہی ٹوٹ کے جام ہو گئی

کیفِ مئے طہور کا وعظ سنا تھا ایک دن
مجھ کو جبھی سے عادتِ شُربِ مدام ہو گئی

اُن کی نگاہِ ناز نے دل سے کہی تھی ایک بات
راز کی بات تھی مگر شہر میں عام ہو گئی

حیرتؔ اب اختیار میں ترکِ سخنوری نہیں
روزِ ازل سے شاعری جب میرے نام ہو گئی

بحر رجز مثمن مزاحف

۱۰۴

شباب کو جو گناہوں کی ایک رات ملی
وہ ایک رات ہی سرمایۂ حیات ملی

تری نظر ترے عارض تیری جبیں کی قسم
مجھے سعادتِ آیات و بنیات ملی

ڈھلک کے چہرۂ رنگیں پہ آ گئے گیسو
صباحِ عید سے گویا شبِ برات ملی

تعیّنِ صفت و ذات غیر ممکن ہے
حریم ذات سے ہے سرحدِ صفات ملی

رہا نہ کوئی بھی محروم تیرے جلووں سے
مگر کسی کو ملا دن کسی کو رات ملی

ہمیں بہارِ جوانی ملی ضرور مگر
وہ کیا ملی جو پر از تلخ تجربات ملی

معاف کر مری تاخیر اے دیارِ حبیب
میں آرہا تھا کہ رستے میں کائنات ملی

شکست مان چکے جبرئیل ہوں کہ کلیم
نہ تیری ذات ملے گی نہ تیری ذات ملی

کہاں یہ نعمت دنیا و دیں کہاں حیرتؔ
جو شے ملی وہ خلافِ توقعات ملی

●

بحر مجتث مثمن

(۱۰۵)

اب برقِ جہاں سوز ہی کچھ فیصلہ کر جائے
دُنیا پہ قیامت جو گذرتی ہے گذر جائے

اللہ رے انساں کہ وہاں سے بھی گذر جائے
جبریل امیں کی بھی جہاں تک نہ نظر جائے

ہے ہے مری تقدیر کہ نقشِ قدم اُن کا
آئینۂ دل چھوڑ کے پتھر پہ اُتر جائے

اس شورش و شر کشمکشِ زیست میں اِک دن
ڈرتا ہوں کہ انسان تری رُوح نہ مَر جائے

کیسی سحر آئی کہ دُعا مانگ رہا ہوں
پھر سے وہی شب آئے الٰہی یہ سحر جائے

مَسند سے اگر خود ہی اُتر جائیں شہنشاہ
ممکن ہے کہ آیا ہوا طوفاں بھی اُتر جائے

گردوں پہ فرشتے ہیں زمیں پر ہیں زمیندار
اب جائے تو دریوزہ گر انسان کدھر جائے

دل کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے
مر کر کبھی جی جائے تو جی کر کبھی مر جائے

سالک کو اگر منزلِ بے سمت وجہت تک
جانا ہے تو بے واسطۂ فکر و نظر جائے

دونوں ہیں وطن دارِ ارم واعظ و ساقی
اب کوئی بتاؤ دلِ دیوانہ کدھر جائے

پردوں کی سجاوٹ میں الجھ کر نگہہِ شوق
ڈر ہے کہیں جلوے ہی سے انکار نہ کر جائے

حیرتؔ مجھے تصویر سے اندیشہ لگا ہے
آنکھوں سے کہیں شیشۂ دل میں نہ اُتر جائے

●

بحر ھزج مثمن مزاحف

آج وہ نغمہ، نوا سنج خوش الحاں ہو جائے
برگ و گل کیا در و دیوار بھی رقصاں ہو جائے

حسن خود عشق کی ناموس پہ قرباں ہو جائے
جرأتِ عشق اگر سلسلہ جنباں ہو جائے

فلسفی سا بھی نا یارب کوئی ناداں ہو جائے
عشق بھی کیا کوئی مشکل ہے جو آساں ہو جائے

گل پہ کیوں چھوڑیئے بلبل بھی ہے صیاد بھی ہے،
آج ہی فیصلۂ حقِ گلستاں ہو جائے

چھیڑ دوں میں اگر اپنے دل پُر درد کا ساز
عشق بھی کانپ اٹھے حُسن بھی لرزاں ہو جائے

تو یہ کردائی ہے جس نے وہ فرشتہ یارب
پیرِ عشرت کدۂ بادہ پرستاں ہو جائے

لُطف اتنا تو کم از کم ہو گنہگاروں پر
زندگی بھر کے لئے فرصتِ عصیاں ہو جائے

عشق کی ذرّہ نوازی نے کیا خاک سے پاک
ورنہ کیا خاک کی ہستی تھی کہ انساں ہو جائے

اُس سے بڑھ کر کوئی دُنیا میں گنہگار نہیں
عاشقی کر کے جو کم بخت پشیماں ہو جائے

آج محفل میں سُنا دے وہ ترانے حیرتؔ
بلبلِ سدرہ بھی انگشت بدنداں ہو جائے

●

بحرِ رمل مثمن مزاحف

۱۰۷

بہار آئی گلستاں پر شباب آنے کے دن آئے
چمن والو غزل گاؤ غزل گانے کے دن آئے

نہ درد اٹھنے کے وقت آئے نہ غش آنے کے دن آئے
وہ آئے بھی تو دیوانے کے مر جانے کے دن آئے

مخالف کر دیا زاغ و زغن کو عندلیبوں کا
چمن سے جب ستم ایجاد کے جانے کے دن آئے

اسیروں سے کہو آمادہ و ہشیار ہو جائیں
کہ دنیائے چمن میں انقلاب آنے کے دن آئے

بہار آتی ہے اور آتی رہے گی لالہ زاروں میں
مگر مدت کے بعد امسال ویرانے کے دن آئے

شباب آیا مزاجِ حسن میں بھی انقلاب آیا
نظر سے تیر، لب سے پھول برسانے کے دن آئے

بہارِ حسن کا دورِ ستم رخصت ہوا حیرتؔ
جنونِ عاشقی کے جوش پر آنے کے دن آئے

بحر ہزج سالم مثمن

(۱۰۸)

یوں نیاز و ناز کا جھگڑا مٹانا چاہیئے
حُسن کو بھی عشق کے مرکز پہ لانا چاہیئے

فصل ہے برسات کی پینا پلانا چاہیئے
آج ساقی آگ پانی میں لگانا چاہیئے

کھائے ہیں کب سے ہم اپنی نگاہوں کے فریب
آپ کو محفل میں خود تشریف لانا چاہیئے

اپنی بے مہری پہ ظالم ناپشیماں ہے ہنوز
غیرتِ دل کو بروئے کار لانا چاہیئے

پڑ گیا ہے مُضمحل، ساقی نظامِ زندگی
مَیکدے میں پھر جوانی کو بُلانا چاہیئے

دل نے پھولوں سے یہ سیکھا ہے محبت کا چلن
زخم کھانا چاہیئے اور مُسکرانا چاہیئے

غیر کے ہاتھوں نہ کر گھر کی تباہی بھی قبول
خود بنایا ہے نشیمن خود جلانا چاہیئے

لامکاں تک ارتقائے عشق ممکن ہے مگر
ہر نفس پر اک قدم آگے بڑھانا چاہیئے

تا قیامت زندہ رہنے کی تمنّا ہے اگر
موت ہی کو زندگی حیرت بنانا چاہیئے

●

بحر رمل مثمن مزاحف

دیوانے کو اس رنگ کا دیوانہ بنا دے
اک سجدہ کرے اور درِ جانانہ بنا دے

جنّت کی بہاریں ترے قدموں سے لگی ہیں
آ اور مرے کاشانے کو کاشانہ بنا دے

کیا خلد میں بھی دور چلے گا مرے واعظ
اللہ تجھے ساقیٔ میخانہ بنا دے

اب دل کی بہار اور خزاں ہے ترے ہاتھوں
گلزار بنا ڈال کہ ویرانہ بنا دے

تقدیر بدل دی ہے تو عادت بھی بدل دے
فطرت بھی غلاموں کی غلامانہ بنا دے

اللہ رے عاشق کی نگاہوں کی کرامت
کعبے پہ نظر ڈالے تو بُت خانہ بنا دے

لذّت کش صد مرگ ہو ہر لمحہ ہستی
مجبور کسی کو کوئی اتنا نہ بنا دے

خود حیرتِ افسانہ ہے افسانۂ حیرت
تو اور اسے افسانہ در افسانہ بنا دے

بحر ہزج مثمن مزاحف

وہ سوتے اندھیرے وہ راتیں وہ تارے
یہ سب راز دار ہیں ہمارے تمہارے
کہاں اب وہ رنگیں زمانے ہمارے
جو اُٹھتی جوانی میں ہم نے گزارے

وہ خلوت وہ ظلمت وہ راتیں وہ تارے
یہ سب راز داں ہیں ہمارے تمہارے

گل و شمع کو تجھ سے نسبت ہی کیا ہے
کہاں اک حقیقت کہاں استعارے

جھکولے سے کھاتا یہ کون آرہا ہے
جوانی کی انگڑائیوں کے سہارے

وہ بزمِ تماشا میں کیا مُسکرائے
برسنے لگے آسماں سے ستارے

تلاطم میں ٹکرا رہا ہے سفینہ!
کبھی اِس کِنارے کبھی اُس کِنارے

محبت کی آگ اور بھڑکا رہے ہیں
یہ رنگیں مناظر، یہ دلکش نظارے

تمھیں جانِ گلشن، تمھیں برقِ خرمن
لبوں پر شگوفے نظر میں شرارے

جدھر مڑ گئیں ان کی کافر نگاہیں!
اُدھر مڑ گئے انقلابوں کے دھارے

کہاں اُڑ گئی اُن کی گلشن پرستی
جو اہلِ چمن اُڑ گئے ڈر کے مارے

خدایانِ نقد و نظر آکے دیکھیں
مرے لعل و گوہر مرے شاہ پارے

خرد بھی مخالف جنوں بھی ہے دشمن
الٰہی کہاں جائیں حیرت کے مارے

•

بحر متقارب سالم مثمن

(۱۱۱)

آج خود بخود پردے اُٹھ گئے نگاہوں سے
وہ منزور گذرے ہیں دل کی شاہراہوں سے

میں نہ تھا تو دنیا تھی لوحِ سادہ و بے رنگ
رنگ بھر دئیے میں نے نت نئے گناہوں سے

ہر مُراد ملتی ہے تو مگر نہیں ملتا
کعبہ و کلیسا کی منزلوں سے راہوں سے

شوخی و شرارت ہے مقتضا جوانی کا
کیوں چھپا رہے ہو تم شرمگیں نگاہوں سے

اب وہ اپنی قسمت بھی خود بدل نہیں سکتے
قسمتیں بدلتی تھیں جن کی بارگاہوں سے

شعبدے جہاں اپنے معجزے دکھاتے ہوں
میکدے غنیمت ہیں ایسی خانقاہوں سے

ذرہ ذرہ زینت ہے گوشہ گوشہ عشرت ہے
خطہ خطہ جنت ہے آپ کی نگاہوں سے

ہر طرف کھڑی ہے اک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد
جاؤ گے کہاں بچ کر ان شکارگاہوں سے

درد کے عوض دل میں سیم و زر جو رکھتے ہیں
ہم فقیر اچھے ہیں ایسے بادشاہوں سے

ہم بھی جان دیتے ہیں اُس کی کج کلاہی پر
جو خراج لیتا ہے اور کج کلاہوں سے

آئیے نگاہوں میں، چھائیے نگاہوں پر
لُوٹیے نگاہوں کو، کھیلئے نگاہوں سے

عِلم و فن کی صَف میں بھی سر بلند ہوں حیرت
آفتاب جاہوں سے، آسماں پناہوں سے

•

بحر مقتضب مثمن مزاحف

۱۱۲

آدمی بیچے کیونکر ان حسین گناہوں سے
جو گناہ آتے ہیں نیکیوں کی راہوں سے

تم نے خاک کر ڈالا آتشیں نگاہوں سے
ہم نے دل کو پالا تھا چوچلوں سے چاہوں سے

یاد ہیں وہ راتیں بھی ہم سے تم جو ملتے تھے
چھپ کے ساری دُنیا کی نکتہ چیں نِگاہوں سے

تم سے پھر نہ ملنے کا عہد کر چکا تھا دِل
موم کر دیا دل کو نرم نرم باہوں سے

آپ ہی کے چرکے تھے آپ ہی دوا کرتے
دل کے گھاؤ کیا بھرتے چارہ گر کے پھاہوں سے

ترکِ بادہ کی باتیں پاکباز رہنے دیں
بادہ خوار باز آئے ایسے خیر خواہوں سے

گُھور گُھور کر محفل ہُو نستی ہے اب تم کو
میرا دل دَھلتا ہے دشمنوں کی ڈاہوں سے

عالمِ جوانی میں نیکیاں ارے توبہ
عالمِ جوانی کی شان ہے گُناہوں سے

اب مزاج بھی اُن کے بزم میں نہیں ملتے
اور ہو گئے خود بیں جھوٹی واہ واہوں سے

رازِ دل جو لب تک بھی آسکا نہ اب تک بھی
سُن لیا وہ دُنیا نے آج نشر گاہوں سے

شوخیاں لڑکپن کی اب تمہیں نہیں زیبا
تم کو دیکھتے ہیں سب اور ہی نگاہوں سے

ہُوک جب اُٹھے دل میں ضبط کیجیے غیرت
وہ کہیں نہ اٹھ جائیں آپ کی کراہوں سے

●

بحرِ مقتضب مثمن مزاحف

(۱۱۴)

میں خود ہوں اک سمندر بیگانہ ہر ندی سے
دہلی و لکھنؤ کی جمنا و گومتی سے

حیرت بنا ہوا ہوں اس رنگِ دوستی سے
خلوت میں بے تکلف محفل میں اجنبی سے

دنیا سے آدمیت ناپید ہو چکی ہے
ہم آدمی نہیں ہیں لگتے ہیں آدمی سے

دیکھیں کہ محترم ہیں پہنچے ہوئے کہاں تک
ہم میکدے کا رستہ پوچھیں گے شیخ جی سے

گُل میں بھی رنگ و نکہت بُلبل میں بھی کیف و لذت
تیرا شباب پوچھے کوئی ہمارے جی سے

جس دن وہ گُل کدے میں آتے ہیں مسکراتے
پھولے نہیں سماتے نسرین و گُل خوشی سے

ہم کو بھی شانِ رحمت دینا پڑے گی جنّت
ہم بھی تو معصیت میں کچھ کم نہیں کسی سے

رازی بھی محوِ حیرت سعدی بھی محوِ حیرت
اک شخص بن گیا ہے شاعر جو مولوی سے

بحر مضارع مثمن

۱۱۴

پھر وہی درد وہی دل ہے خدا خیر کرے
پھر وہی ہم وہی قاتل ہے خدا خیر کرے

اک بت سنگ جگر، برق نظر، شعبدہ گر
آج پھر لطف پہ مائل ہے خدا خیر کرے

دلِ معصوم پہ ہیں سارے جہاں کی نظریں
دل کسی اور کی منزل ہے خدا خیر کرے

ایک ہو جانے کو ہیں حُسن و محبّت لیکن
زندگی پردۂ حائل ہے خدا خیر کرے

قلزمِ عشق میں اربابِ وفا کی کشتی
برخلافِ لبِ ساحل ہے خدا خیر کرے

وہ سمجھتے ہیں اُسے شکوہ بہ عنوانِ دگر
اب تو فریاد بھی مشکل ہے خدا خیر کرے

بحر و بر ایک طرف اُن کی نظر ایک طرف
کس مصیبت میں مرا دل ہے خدا خیر کرے

آج حیرت کو شکستوں پہ شکستیں ہوں گی
آئینہ اُن کے مقابل ہے خدا خیر کرے

بحر رمل مثمن مزاحف

۱۱۵

ختم کسی طرح تو ہوں دن غمِ انتظار کے
چند ورق الٹ نہ دوں دفترِ روزگار کے

حشر پہ حشر اٹھائے جا ناز سے مسکرائے جا
رنت نئے گل کھلائے جا دن ہیں تری بہار کے

ہم سے نظر ملائے کیوں ہم کو نظر وہ آئے کیوں
ہم ہیں بذاتِ خود حجاب جلوۂ حسنِ یار کے

کچھ نہیں جز مقدرات ہے یہ تمام کائنات
جبر کے اختیار میں خبر ہیں اختیار کے

جلوۂ شمع و رنگِ گل تابشِ صبح و کیفِ مُل
ہیں یہ محیطِ جزو دگر رنگِ نگاہِ یار کے

لطفِ تمام دیکھ کر رحمتِ عام دیکھ کر
رہ گئی حسرتِ گناہ، دل میں گناہ گار کے

اب وہ جفا پہ ہیں خجل مجھ کو وفا پہ ناز ہے
ہار گئے وہ جیت کر جیت گیا میں ہار کے

آخرِ کار عشق نے حسن بنا دیا مجھے
مجھ میں کمال دیکھئے حیرتِ چشمِ یار کے

بحر رجز مثمن مرفوف

اٹھا رہے ہیں وہ حشر پہ حشر اپنے تیور بدل بدل کے
کبھی نگاہوں سے مسکرا کے کبھی قیامت کی چال چل کے

وہ گُل کدے کی بہار بھی ہیں وہ میکدے کی شراب بھی ہیں
جو لب ہلائیں تو پھول برسیں، نظر ملائیں تو بادہ چھلکے

یہ کون مخمور آرہا ہے زباں میں لغزش نظر میں گردش
نشاطِ صہبا سے لڑکھڑاتا، قدم قدم پر سنبھل سنبھل کے

تمہارے نقشِ قدم نے کتنے بپا کئے ہیں جہاں میں فتنے
بہاریں پرواز کر کے آئیں قیامتیں آئیں پاؤں چل کے

یہاں بھی موجود ہیں فرشتے برہمن و شیخ کے ہیں پہرے
ہم آئے تھے کچھ گناہ کرنے حراستِ خُلد سے نکل کے

بتاؤ اے رہبرانِ دانا چلے گا کس طرح کارخانہ
کہ زنگ آلودہ ہو چکے ہیں یہ چلتے پرزے تمہاری کل کے

تمہاری تصویر ہے سخن میں تمہاری تسخیر میرے فن میں
تمہیں ہوا عجاز شاعری کا تمہیں ہو جادو مری غزل کے

دکن میں دہلی میں لکھنؤ میں مچی ہیں اردو زباں کی دھومیں
بنی ہے باغ و بہار، باغ و بہارِ ہندوستاں میں پل کے

وہ بے تکلف ہوئے ہیں ہم سے الٰہی اُن سے نبھے گی کیسے
ہم اگلے وقتوں کے آدمی ہیں مگر وہ ہیرو ہیں آج کل کے

عجیب حیرت فزا ہے منظر وہ آج آئے ہیں کیا مرے گھر
کہ آگیا چاند چودھویں کا، لباسِ انسانیت بدل کے

●

بحر متقارب مزاحف مکرر

ابتدا ہی میں جب انتہا کیجئے
انتہائے محبت میں کیا کیجئے

لیجئے خود وہ بالائے بام آ گئے
سامنے آیئے سامنا کیجئے

آپ کا آخری فیصلہ ہے یہی
اب یہی آخری فیصلہ کیجئے

جان دینے پہ بھی جان دینا اگر
ان کو باور نہ آئے تو کیا کیجئے

اب خدا ہیں تو وہ ناخدا ہیں تو وہ
بندگی کس کی ان کے سوا کیجئے

ہم ہیں مختار یا آپ مختار ہیں
جایئے آپ ہی فیصلہ کیجئے

گلشن آزاد ہوگا بہار آئے گی
مژدہ ہائے مسرت سنا کیجئے

دل دیا جان دی آبرو نذر کی
آپ پھر بھی نہ خوش ہوں تو کیا کیجئے

آ رہی ہے وہ ساعت بھی حیرت قریب
خود کہا کیجئے خود سنا کیجئے

بحر متدارک سالم مثمن

(١١٨)

دل نہ دیکھا سوئے عرش و لامکاں دیکھا کئے
ہائے قسمت تو کہاں تھا ہم کہاں دیکھا کئے

کیا کہیں ہر سو چمن میں کیا سماں دیکھا کئے
ایک شورِ الحفیظ والاماں دیکھا کئے

میکدہ لُٹتا رہا، جلتا رہا، مِٹتا رہا
بادہ خوار و ساقی و پیرِ مغاں دیکھا کئے

جب اَسیروں کی زباں پر مُہر توڑا ہو گیا
ہم اسیروں کی نگاہوں میں زباں دیکھا کئے

عمر بھر کھاتے رہے ہم اپنی آنکھوں کا فریب
تابشیں سمجھا کئے پرچھائیاں دیکھا کئے

حشر ڈھانے کے لئے طوفاں اُٹھانے کے لئے
میری جانب انقلاباتِ جہاں دیکھا کئے

آدمی کرتا رہا طے لامکاں کی منزلیں
اور حیرت سے زمین و آسماں دیکھا کئے

کہہ دیا ہم نے بھی آخر انجمن کو الوداع
بزم میں جب آمدِ مہرایں و آں دیکھا کئے

چارہ سازوں کے مقدّر میں نہ تھی اُن کی نظر
دل کے زخموں میں نگاہوں کے نشاں دیکھا کئے

حیرت اک آئینہ ہوں میں دیکھنے والے مرے
مجھ میں اپنے عیب اپنی خوبیاں دیکھا کئے

•

بحر رمل مثمن مزاحف

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY HYDERABAD-7

(۱۱۹)

حیرتؔ اگر یہی ہیں کرشمے بہار کے
پھر تو نصیب پھوٹ گئے لالہ زار کے

رندو مناؤ جشن کہ لایا ہے مے فروش
شیشے میں آج لال پری کو اُتار کے

یارب نظامِ عالمِ ہستی کی خیر ہو
آیا ہے کوئی بزم میں گیسو سنوار کے

جس نے تمہیں دیا ہے غرورِ شباب و حسن
ہم بھی فقیر ہیں اُسی پروردگار کے

اب پختگیٔ عقل کو رونے سے فائدہ
کھا کر فریب اک بتِ ناپختہ کار کے

ٹکڑے اُڑا دیئے تری کافر نگاہ نے
پیمان و عہد و وعدہ و قول و قرار کے

دونوں کی ضد نے خاک میں ہم کو ملا دیا
دل اختیار کا ہے نہ تم اختیار کے

کوسوں پتہ نہیں ہے ابھی تک بہار کا
رکھ دوں الٹ کے چند ورق روزگار کے

دنیا و دیں جنون و خرد، ہوش و بیخودی
یاں ایک دل ہے اور تقاضے ہزار کے

ٹھکرا رہے ہیں گردشِ لیل و نہار کو
آزردہ ہیں جو گردشِ لیل و نہار کے

دنیائے رنگ و بو ہو کہ فردوسِ حور و نور
چھینٹے ہیں میرے خامۂ جادو نگار کے

اہلِ چمن میں ماتمِ جورِ خزاں ہے آج
صیّاد گا رہے ہیں ترانے بہار کے

دُنیا کو اب کسی پہ بھروسہ نہیں رہا
تم اختیار کے ہو نہ ہم اختیار کے

•

بحر مضارع مزاحف مثمن

جو کچھ دکھائے گردشِ ایّام دیکھئے
لائی نہ ہو کچھ اُن کے بھی پیغام دیکھئے

اچھے نہیں یہ نامہ و پیغام دیکھئے
ہو جائیے گا مفت میں بدنام دیکھئے

سنیے پھر آسمان کی خبریں زمیں پر
دے کر شراب نوش کو اک جام دیکھئے

عزّت تو بِک چکی عوضِ دوزخِ شکم
کرتا ہوں اب ضمیر کا نیلام دیکھئے

آزارِ عشق دشمنِ صبر و قرار ہے
اب خواب ہی میں راحت و آرام دیکھئے

مذہب، زبان، رنگ و وطن نسل و زور و زر
اک دَیر اور اِس قدر اَصنام دیکھئے

اے شیخ آپ دیکھ چکے چودھویں کا چاند
میرا بھی ایک چاند لبِ بام دیکھئے

حیرت، بھلا زمین کہاں آسماں کہاں
انسانیت کی جُرأتِ اقدام دیکھئے

بحر مضارع مثمن مزاحف

۱۲۱

انقلابات آتے ہیں آتے رہیں رنگ پر رنگ عالم بدلتا رہے
ہم سے کیا ہم پرانے گنہگار ہیں ساقیا دور پر دور چلتا رہے

غنچہ پیکر رہو سرو قامت رہو کہہ رہی ہیں بہاریں سلامت رہو
اک قیامت ہو تم تا قیامت رہو حُسن جادو کے سانچوں میں ڈھلتا رہے

نور بڑھتا رہے ظلمتوں میں چھپا جلوہ در جلوہا پردہ بر پردہا
رُخ پہ چھائی رہے کاکلوں کی گھٹا شب کی آغوش میں چاند پلتا رہے

شمع و گل ہو کہ لیلائے محمل نشیں، ماہِ کنعاں ہو یا ماہِ چرخِ بریں
جس کو رہنا ہے دُنیا میں بن کر حسیں آپ ہی کے اشاروں پہ چلتا رہے

جادۂ عشق میں کوئی منزل نہیں کوئی سرحد نہیں کوئی ساحل نہیں
منزل آئے نہ آئے مگر راہرو رات دن اپنے رستے پہ چلتا رہے

شعلۂ برق کیا جلوۂ طور کیا، تابشِ مہر کیا شمع کا نور کیا
تم بہاروں میں گُل بن کے ہنستے رہو جس کی قسمت میں جلنا ہے جلتا رہے

آج میری غزل مُطربِ خوش نوا تو ہی گا کون ہے اور تیرے سوا
فاعلن فاعلن کی جو طاؤس پر گت بجاتا رہے لئے بدلتا رہے

آگ رندوں کی محفل میں لگتی رہے میکشوں کے دلوں میں سلگتی رہے
پردۂ ساز سے تیری آواز سے شعلہ بن بن کے نغمہ نکلتا رہے

آج وہ ریت وہ رت نہیں کل جو تھی آسماں بھی نیا ہے زمیں بھی نئی
ہم نہ بدلے نہ بدلیں گے حیرتؔ کبھی اپنی چالیں زمانہ بدلتا رہے

●

بحر متدارک سالم مکرر

(۱۲۲)

شب بھر رہی افق پہ نظر دیکھتے رہے
ہوتی ہے کب طلوعِ سحر دیکھتے رہے

تعبیر بھی ضرور نظر آئے گی ۔ اگر
ہم خوابِ کائناتِ دگر دیکھتے رہے

تفریقِ آدمیت و تقسیم لالہ زار،
دیکھی نہ جا رہی تھی مگر دیکھتے رہے

بہتا رہا زمیں پہ انسانیت کا خون
اور آسماں کے شمس و قمر دیکھتے رہے

برقِ نظارہ سوز کی زد میں رہی نظر
غش ہو گئے کلیم مگر دیکھتے رہے

قدریں بدل رہی تھیں زمانے کی اور ہم
نیرنگیٔ قضا و قدر دیکھتے رہے

اُن کی نظر جدھر نہیں دوزخ ہے اُس طرف
جنت سی کھل گئی وہ جدھر دیکھتے رہے

طوفانِ ارتقا نے الٹ ہی دیا نظام
رجعت پرست راہِ مفر دیکھتے رہے

تیری تجلّیات سمجھ کر نظارہ باز
اپنے تو ہماتِ نظر دیکھتے رہے

آیا بھی وقت اور گزر بھی گیا۔ مگر
ہم انتظارِ شام و سحر دیکھتے رہے

حیرت ہمارے جوہرِ قابل میں دیر تک
اپنا کمال۔ آئینہ گر دیکھتے رہے

●

(۱۲۳)

پینے آئے تھے ہم میکدے میں مگر بے پئے ہی قدم ڈگمگانے لگے
کر گئی مست ساقی کی پہلی نظر کیف آنے لگا ہوش جانے لگے

اپنی دنیا میں جب زہر پھیلا چکے چاند تاروں کی دنیا میں جانے لگے
دشتِ مغرب کے دیوانگانِ خرد آسماں پر بھی تھگلی لگانے لگے

لیجئے زندگی میں بہار آگئی ، رونق افزا لیل و نہار آگئی
گیسوئے عنبر افشاں مہکنے لگے ، عارضِ لالہ گوں لہلہانے لگے

یہ شرارت یہ شوخی یہ رعنائیاں یہ ادائیں یہ مستی یہ انگڑائیاں
وہ بھی آخر اک انسان ہیں کیا کریں برق سی دل میں جب گدگدانے لگے

ناز کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے ، ہر قدم پر قیامت اٹھاتے ہوئے
تم کو دیکھا جو ناوک چلاتے ہوئے خود ہی بڑھ بڑھ کے دل زد میں آنے لگے

عمر ساری تو میں نے گذاری یہیں اب کہیں اور جانے کو دل ہی نہیں
چاہتا ہوں اسی میکدے میں کہیں میری مٹی بھی ساقی ٹھکانے لگے

عہدِ پیری میں حسرت جواں مت بنو، آخری وقت ہے اللہ اللہ کرو
سوہنی چھوڑ کر بھیرویں چھیڑ دی تم تو بے وقت کا راگ گانے لگے

●

بحر متدارک سالم مکرر

(۱۲۴)

ممکن نہیں کہ پھر کبھی اس کی خبر ملے
تیری نگاہِ ناز سے جس کی نظر ملے

صوفی ملے فقیہہ ملے راہ بر ملے
تیری صفات و ذات سے سب بے خبر ملے

باتیں جلی کٹی ہیں نگاہیں کھنچی تنی!
تم سے کوئی ملے تو کس اُمید پر ملے

دل سے جو دل ملے تو محبت کا ہے مزا
یہ کیا کہ گاہ گاہ نظر سے نظر ملے

کہنا کہ ہم ہنوز بقیدِ حیات ہیں
بادِ صبا ہمارا نشیمن اگر ملے

خلوت میں گفتگو ہو تو کرتے ہیں لوگ شک
اچھا ہوا کہ آپ سرِ رہگذر ملے

دل میں، دماغ میں، رگِ جاں میں، نگاہ میں
ہم سے وہ جب ملے تو بشانِ دگر ملے

موسیٰ نے سوئے برقِ جمالِ نظارہ سوز
دیکھا ہی کیوں بغیرِ شعورِ نظر ملے

خط کے جواب کا نہیں اب مجھ کو انتظار
یہ فکر ہے کہ کچھ خبرِ نامہ بر ملے

دل میں نہ تھا غبار تو ملتے ہزار بار
یہ کیا ملے کہ آپ سرِ رہ گذر ملے

اس عالمِ فریب میں انسان تو کجا
دشوار ہے کہ شئے بھی کوئی معتبر ملے

کردوں نثار جنّتِ فردوس کی بہار
تیرے غبار کو جو سرِ رہ گذر ملے

حیرتؔ سے آج ملئے کہ مدّت سے تھی تلاش
کوئی ادیب و شاعر فوق البشر ملے

●

بحر مضارع مثمن مزاحف

(۱۲۵)

ہم سمجھتے تھے کہیں عرش پہ پنہاں ہوں گے
کیا خبر تھی کہ وہ نزدیک رگِ جاں ہوں گے

فتنۂ بزم سے وہ فتنۂ دوراں ہوں گے
جب ذرا اور خط و خال نمایاں ہوں گے

گیسوؤں میں رُخِ روشن کو چھپایا نہ کرو
یہ تو کافر ہیں یہ کیا حافظِ قرآں ہوں گے

میکدے لیں گے بلائیں جو اٹھائیں گے وہ آنکھ
پاؤں چومے گی قیامت جو خراماں ہوں گے

دن نکل آئے گا جب رُخ سے اٹھائیں گے نقاب
رات ہو جائے گی جب بال پریشاں ہوں گے

تو وہ ہے اے بُتِ کافر کہ بُتانِ کافر
دیکھتے ہی تری تصویر مُسلماں ہوں گے

آسمانوں کی بساط مہ و انجم ہیں کہاں
جو ستارے مری آنکھوں سے درخشاں ہوں گے

شب میں ہم پیرِ خرابات بنے بیٹھے ہیں
صبح کو قبلۂ دیں، کعبۂ ایماں ہوں گے

ہم تو ہم لالہ و نسریں بھی بہ ہنگامِ بہار
چاک دل، چاک جگر، چاک گریباں ہوں گے

ہے یہی رنگِ بہاراں تو عنادل کے عوض
اس چمن میں زغن و زاغ غزل خواں ہوں گے

آج دستور کے اجزاء اہم ہیں جو ورق
کل کی تاریخ کے اوراقِ پریشاں ہوں گے

کیا بتاؤں کہ گناہوں کی سکت ہی نہ رہی
ورنہ کیا کیا نہ مرے دل میں بھی ارماں ہوں گے

پارسا دیکھ کے جنّت میں گنہگاروں کو
اپنی ناکردہ گناہی پہ پشیماں ہوں گے

کر دیا ہے کسی ظالم نے وہ جادو حیرتؔ
آئینے بھی مجھے دیکھیں گے تو حیراں ہوں گے

اب وہ دن بھی نہیں کچھ دور کہ ہم بھی حیرتؔ
خلد کی محفلِ مومن میں غزل خواں ہوں گے

بحرِ رمل مثمن مزاحف

(۱۲۶)

چین آبرو سے اگر غمزہ روانی مانگے
تیغ کیا، بحر مقابل ہو تو پانی مانگے

کیا کرے چشم تماشا جو نظارہ نہ کرے
فطرتِ حُسن ہی جب خود نگرانی مانگے

ہو سکا نم بھی نہ دریا میں لبِ خشکِ صدف
ابر سے قطرہ پئے تشنہ دہانی مانگے

یک نفس بیش نہیں صاعقۂ برق تو پھر
برق ہی مجھ سے نہ کیوں شعلہ بجانی مانگے

جلوہ بیگانۂ تکرار ہے لیکن پیری
عَودِ برنائی و تجدیدِ جوانی مانگے

ہے محاکات کو الفاظ کی جدّت درکار
ناطقہ نُدرتِ اظہارِ معانی مانگے

پلۂ گفتار میں ہے تیری رفتار ہنوز
مطلعِ تازہ، طبیعت کی روانی مانگے

پھر وہی فخرِ شعورِ ہمہ دانی مانگے
غالبِ وقت بہادر شہِ ثانی مانگے

غزلِ غالبؔ حاضر سے مزاجِ امروز
خوبیٔ نغمگیٔ و زمزمہ خوانی مانگے

پیکرِ نو میں بھی آسودہ نہیں روحِ اسدؔ
بزمِ بے ذوقِ سخن ہرزہ بیانی مانگے

جب رقابت بھی روا ہے تو عبث غالبؔ عصر
"پائے طاؤس پئے خامۂ مانی" مانگے

دل وہ خودسر کہ پئے کاسۂ دریوزہ گری
کم سے کم جامِ جم و تاجِ کیانی مانگے

قیمتِ حسن میں ناموسِ زلیخا بھی گئی
اب رہا کیا ہے جو یوسف کی گرانی مانگے

نقشِ تصویر ہے آمادۂ تقریر مگر
حیرتِ آئینہ خاموش زبانی مانگے

بحرِ رمل مثمن مزاحف

•

۱۲۷

ہو بھی چکے ہم اُن کی نگاہوں کے حوالے
اتنوں میں کوئی ہے جو ہمیں ڈھونڈ نکالے

یہ حُسن میں تسخیر، یہ بھرپور جوانی
آخر کوئی کب تک دلِ مضطر کو سنبھالے

آ جاؤ مرے دل میں سما جاؤ نظر میں!
تم ہو مرے دل کے مری آنکھوں کے اجالے

دل تم سے لگا کر یہ دعا مانگ رہا ہوں
انسان کا انساں سے خدا کام نہ ڈالے

موسیٰ کو صدا طور پہ آئی تو یہ آئی!
جاؤ بھی بڑے آئے ہمیں دیکھنے والے

جس روز مرے دل کی محبت میں کمی آئے
اُس روز جہاں سے مجھے اللہ اُٹھا لے

نخوت کا یہ مطلب ہے کہ گویا ہیں ہمیں ہم
دنیا سے نئے سارے زمانے سے نرالے

فولاد ہو پتھر ہو تم انساں نہیں ہو!
کافر ہو جو تم سے صلۂ وادِ وفا لے

حیرت جو ملاقات سے آتی ہے انھیں شرم
تصویرِ تصوّر ہی کلیجے سے لگا لے

•

بحر ہزج مثمن مزاحف

جنوں سے دشت وجبل تک ہلا دیئے میں نے
خرد کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے میں نے

فلک کو داغِ جگر جب دِکھا دیئے میں نے
چراغ شمس وقمر کے بجھا دیئے میں نے

تری نگاہ کے پیہم فریب کھا کھا کر
تری نگاہ کے جادو جگا دیئے میں نے

بُلا کے آئینہ خانے کی سیر کرنے کو
تمہیں کو تم سے ہزاروں دکھا دیئے میں نے

یہ کیا کیا ترے کوچے میں سجدے کر کر کے
جبیں سے نقش قدم تک مِٹا دیئے میں نے

نگاہِ شوق کی بیتابیوں سے تنگ آکر
حریم ناز کے پردے اٹھا دیئے میں نے

عروجِ بے جہت ولامکاں پہ دے کے اذاں
حواسِ خمسہ کے چھکے چھڑا دیئے میں نے

سرِ مشاعرہ حیرتؔ غزل کے پردے میں
انھیں بھی اپنے فسانے سُنا دیئے میں نے

۱۲۹

حرم کے بدلے دیا ہے حریمِ جاں میں نے
کہاں سے آپ کو پہنچا دیا کہاں میں نے

ہجومِ برق سے پہلے جلا کے گھر اپنا
لکھی ہے آگ سے تاریخِ آشیاں میں نے

بنامِ عشق نکالی ہے ایک راہ نئی
حیات و موت کی راہوں کے درمیاں میں نے

بجز خدا مجھے کوئی خرید ہی نہ سکا
خودی کے نرخ کو اتنا کیا گراں میں نے

زمانہ ہے مرے ہر نقشِ پا پہ سر بسجود
قدم قدم پہ بنائے ہیں آستاں میں نے

چلا کے اپنی نگاہوں سے عشق کا جادو
شباب حسن میں بھر دیں ہیں بجلیاں میں نے

تمہاری آنکھوں کو اپنی غزل کا رس دے کر
بنا دیا ہے خراباتِ میکشاں میں نے

نہ حُسن و عشق ہی کچھ ہیں نہ شمع و پروانہ
انھیں لیا ہے پئے زیبِ داستاں میں نے

بنا لیا ہے دو عالم کو عالمِ حیرت
نگاہِ ناز سے تا بزمِ لامکاں میں نے

●

بحرِ مجتث مثمن

(۱۳۰)

میکدے میں لائی ہے کالی گھٹا میرے لئے
بحرِ ظلمت میں جو تھا آبِ بقا میرے لئے

رقص بھی ہے نغمہ بھی ہے بادہ بھی ہے تم بھی ہو
آج تو ہر ناروا شئے ہے روا میرے لئے

مہر و مہہ جن و ملک مُنھ دیکھتے ہی رہ گئے
تھا جوانی کے گناہوں کا مزا میرے لئے

اور بھی تھے دیکھنے والے حریمِ ناز میں
اُن کی آنکھوں نے مگر کچھ کر دیا میرے لئے

عقل کہتی ہے نہ جانا، دل یہ کہتا ہے کہ چل
مضطرب ہو گی نگاہِ دلرُبا میرے لئے

آسمانوں سے گذرتا ہوں تو چھا جاتا ہے رعُب
چھوڑ دیتے ہیں فرشتے راستہ میرے لئے

میں تو آیا بھی نہ تھا بزمِ جہاں میں لیکن آپ
کر چکے تھے طے، سزا و بے خطا میرے لئے

لوٹ لی رنگیں گناہوں نے جوانی کی بہار
رہ گئی پیری بہ عنوانِ سزا میرے لئے

انجمن میں دوسروں سے وہ مخاطب تھے تو کیا
جانتا ہوں میں، کہ یہ ارشاد تھا میرے لئے

دل لیا تیرِ نظر نے ہوش اڑائے حُسن نے
آپ بھی کر دیجئے کچھ فیصلہ میرے لئے

بن گئی ہے آج پیری سو سزاؤں کی سزا
تھی جوانی سو خطاؤں کی خطا میرے لئے

اُن کی آنکھوں میں ہوں اور اُن کو نظر آتا نہیں
دیکھتے ہیں اب وہ حیرت آئینہ میرے لئے

●

بحر رمل مثمن مزاحف

آیا ہوں میں نوشتۂ قسمت لئے ہوئے
پھرتا ہے مجھ کو جبرِ مشیّت لئے ہوئے

دوزخ نظر میں حُسن میں جنت لئے ہوئے
یہ کون آرہا ہے قیامت لئے ہوئے

اِترائی پھر رہی ہے چمن میں نسیمِ صبح
دوشیزگیِ غنچہ کی عصمت لئے ہوئے

مجھ کو گرا چکے ہو جب اپنی نگاہ سے
پھرتے ہو کیوں نگاہ میں حیرت لئے ہوئے

آتا ہے اب تو شہر میں ہر انقلابِ نو
اک اور انقلاب کی دعوت لئے ہوئے

احباب دل کو گورِ غریباں بنا گئے
بیٹھا ہوں ایک ایک کی تُربت لئے ہوئے

فطرت میں ہے گناہ، جبھی تو بہشت سے
آیا ہوں میں گناہ کی عادت لئے ہوئے

جھوٹے ہیں وہ بھی ہم بھی مگر رہبروں کا جھوٹ
ہے احمقانِ قوم کی خدمت لئے ہوئے

خلّاق جب ہے ایک تو مخلوق بھی ہے ایک
ہر ذرہ ہے وجود میں وحدت لئے ہوئے

طوفاں بپا ہے بحرِ مضارع میں اے ردیف
ہے تیرا قافیہ بھی مصیبت لئے ہوئے

حیرتؔ رجوع ہونے کا وقت آگیا قریب
اسّی برس ہوئے تمہیں رخصت لئے ہوئے

•

بحر مضارع مثمن مزاحف

(۱۴۲)

جلوہ خود مانعِ جلوا نظر آتا ہے مجھے
پردہ اٹھتا ہے تو پردا نظر آتا ہے مجھے

حیرتِ دید کہیں لوٹ نہ لے مایۂ ضبط
پھر وہی خوابِ زلیخا نظر آتا ہے مجھے

اپنی دیرینہ وفاؤں کا سمجھتا ہوں صلہ
سرِ مژگاں جو ستارہ نظر آتا ہے مجھے

چارہ گر سر بہ گریباں ہیں پشیماں ہیں طبیب
درد اب تو ہی مسیحا نظر آتا ہے مجھے

انھیں آنکھوں میں تمہاری انھیں آنکھوں کی قسم
کیا بتاؤں میں کہ کیا کیا نظر آتا ہے مجھے

ڈھونڈتا ہوں تری تصویر جس آئینے میں
جلوہ گر اپنا ہی چہرا نظر آتا ہے مجھے

نقشِ بے رنگ فروزاں ہے بہ نیرنگِ نقاب
کوئی مجنوں کوئی لیلیٰ نظر آتا ہے مجھے

ذکرِ بے مہریِ احباب سے اب کیا حاصل
رنگِ محفل ہی بدلتا نظر آتا ہے مجھے

بھر چکا ہے غمِ ہستی سے مرا دل حیرتؔ
اب یہ ساغر بھی چھلکتا نظر آتا ہے مجھے

●

بحرِ رمل مثمن مزاحف

(۱۴۲)

مبارک ہو اے دل محبت کی دنیا میں کیسا حسین انقلاب آرہا ہے
مرا زُہرہ پیکر مرا ماہ طلعت مرا لالہ رُخ آفتاب آرہا ہے

جمالِ مجسم بہارِ مکمّل سراپائے حُسن و شباب آرہا ہے
وہ جانِ تصوّر وجانِ تمنّا بعنوانِ تعبیرِ خواب آرہا ہے

شعورِ جوانی کو ہوش آرہے ہیں طبیعت میں جوش و خروش آرہے ہیں
جفا آرہی ہے ادا آرہی ہے حیا آرہی ہے حجاب آرہا ہے

وہ جانِ بہاراں، وہ سروِ خراماں، وہ طاؤسِ رقصاں وہ فردوسِ دوراں
شگوفے کھلاتا غزل گنگناتا نظر سے پلاتا شراب آرہا ہے

رگ و پے میں بجلی سی لہرا رہی ہے قیامت سی اُٹھتی چلی آرہی ہے
دیارِ محبت میں ہے شور برپا شباب آرہا ہے شباب آرہا ہے

بچائیں گے کس کس سے اب جان و دل ہم نگاہیں بھی برہم ادائیں بھی برہم
اِدھر لوحِ سیما شکن در شکن ہے اُدھر زلف کو پیچ و تاب آرہا ہے

یہ نسریں وریحاں خیاباں خیاباں یہ گُل رُخ یہ مہوش غزل خوان ورقصاں
اُڑا ساقیا تو بھی شیشوں سے پریاں کہ مطرب یہ چنگ ورباب آرہا ہے

تغافل کے دھوکے میں ہرگز نہ آدل نہ میں اُن سے غافل نہ وہ مجھ سے غافل
مرے نامہ بر کی جو لاشں آرہی ہے یہی میرے خط کا جواب آرہا ہے

جئیں گے تو دو گھونٹ پی کر جئیں گے بہرحال چوری چھپے ہی پئیں گے
سُنا جارہا ہے کہ قانون بن کر خرابات میں اِحتساب آرہا ہے

معمّے سے ارشاد فرمارہے ہیں غزل رُو رہے ہیں غزل گا رہے ہیں
ادب پر ستم بے ادب ڈھا رہے ہیں زمانہ بہت ہی خراب آرہا ہے

عجب حیرت افزا ہے میری کہانی سنو آج تم بھی غزل کی ریانی
ادھر آمدِ پیری و ناتوانی اُدھر شاعری پر شباب آرہا ہے

•

بحر متقارب سالم مکرر

(١٣١)

یہ میں کدھر چل پڑا ہوں یارب مرا سفر بھی عجب سفر ہے
نہ کوئی جادو، نہ کوئی منزل، نہ کوئی ساتھی، نہ راہبر ہے

چمن میں تم مسکرائے جاؤ، ہنسی گلوں کی اڑائے جاؤ
بہار ابھی تو شباب پر ہے شباب ابھی تو بہار پر ہے

نگاہ کے رخ بدل بدل کے، اڑا دیئے اس نے دل کے ٹکڑے
میں چیختا ہی گیا ارے رے، خدا کا گھر ہے خدا کا گھر ہے

بہار آ بھی چکی چمن میں، شباب لا بھی چکی چمن میں
کہاں پڑا سو رہا تھا ساقی بسنت کی بھی تجھے خبر ہے

شعاع شمس و قمر بھی دیکھی ضیائے برق و شرر بھی دیکھی
تری نظر سے مقابلہ کیا، تری نظر پھر تری نظر ہے

وہ جام پر جام دے رہے ہیں مجھے یہ پیغام دے رہے ہیں
یہ رات پھر لوٹ کر نہ آئے گی، توبہ کرنے کو عمر بھر ہے

جس آدمی پر نگاہ ڈالی نہ منہ سے بولا نہ سر سے کھیلا
تو پھر ہے دنیا میں کون قاتل اگر ترا نام چارہ گر ہے

میں ان کی آنکھوں میں رہ کے حیرت میں ان کی آنکھوں سے دور ہی ہوں
مری کہانی، مرا فسانہ، عجیب سے بھی عجیب تر ہے

بحر متقارب مربع اثرم مکرر

(۱۳۵)

کسی کی آنکھ جو ڈوبی ہوئی شراب میں ہے
زمانہ دور میں ہے دہر انقلاب میں ہے

جمالِ یار ہے بیگانۂ ظہور و خفا
نظر تجسسِ بے صرفہ کے حجاب میں ہے

کسی میں حوصلۂ دید ہے تو بسم اللہ
وہ کب نقاب بہ رُخ تھا جواب نقاب میں ہے

اسی پہ ختم ہر افسانہ ہے یہ ربطِ وجود
بہ حیلۂ سرِ عنواں وہ ہر کتاب میں ہے

شعور پردہ بھی ممکن نہیں جمال تو کیا
فریب خوردہ نظر کس خیال و خواب میں ہے

بہ شوقِ نغمہ مگر ہے کوئی رباب بدست
کہ تار تار نفس جوششِ اضطراب میں ہے

پلا کے پھر مرے ساقی مجھے جواں کر دے
کہ زندگی کا مزا مستیٔ شباب میں ہے

جلالؔ بھی تو اُسی کی اک آن ہے آخر
زہے نصیب کہ دل معرضِ عتاب میں ہے

بغیر شادیہ ہے رنگِ انجمن حیرت
کہ رند جمع ہیں پیرِ مغاں حجاب میں ہے

•

بحر مجتث مثمن

طے بھی کر لو راہیو تھوڑا سا رستہ اور ہے
سامنے منزل ہے تھوڑی دور جانا اور ہے

اپنی ماضی کا نہ غم کر، اپنے مستقبل کو دیکھ
وہ زمانہ اور تھا اور اب زمانہ اور ہے

یوں تو شب کے بعد ہی روزانہ ہوتی ہے سحر
منتظر ہے جس کی دُنیا وہ سویرا اور ہے

تجھ سے اے بیداد گر اُمید ایسی تو نہ تھی
کیا ترے پردے میں کوئی جلوہ فرما اور ہے

ایک ہی دُنیا میں دونوں ہیں مگر اے نازنیں
تیری دُنیا اور ہے اور میری دُنیا اور ہے

گوش بر آواز یوں بیٹھے ہیں مُرغانِ چمن!
جیسے کوئی صورِ محشر پھُنکنے والا اور ہے

کش مکش میں پھنس گیا ہوں یاالٰہی کیا کروں
اُن کی مرضی اور ہے دل کا تقاضا اور ہے

امتیاز اتنا تو اے مرغانِ زیرک چاہیئے
صبحِ کاذب اور ہے صبحِ تجلّا اور ہے

گل بداماں باغبانوں کو مبارک ہو بہار
میری نظروں میں بہارِ عالم آرا اور ہے

کیا تماشہ ہے کہ حیرت اس تماشا گاہ میں
اک تماشا ختم ہوتے ہی تماشا اور ہے

●

بحرِ رمل مثمن مزاحف

(۱۳۷)

دل کشی ہی دل کشی تسخیر ہی تسخیر ہے
آپ ہیں، یا قدمِ آدم حُسن کی تصویر ہے

عشق ہے، روزِ ازل سے، ایک خواب ناتمام
جب بھی بے تعبیر تھا، اور اب بھی بے تعبیر ہے

اصل ہے کچھ اور ہی شئے عکس ہے کچھ اور چیز
آپ آخر آپ ہیں تصویر پھر تصویر ہے

گلستاں میں آندھیوں کا برق کا صیاد کا
مجھ کو کیا غم دل میں جب تک حسرتِ تعمیر ہے

موت ہے انسان کا آغاز بھی انجام بھی
زندگانی در حقیقت موت کی تاخیر ہے

آجکل کے آدمی کو آدمی تو کیا کہیں
آدمی کی شکل کی اک بولتی تصویر ہے

باغبانو جشنِ آزادی مبارک ہو تمہیں
ہم سمجھتے ہیں کہ اب بھی پاؤں میں زنجیر ہے

آپ ہی اس بات کا بھی فیصلہ فرمائیے
میرے دل میں آپ ہیں یا آپ کی تصویر ہے

اللہ اللہ نرگسِ مخمور کی جادوگری
عالمِ تصویر حیرت حیرتِ تصویر ہے

•

بحر رمل مثمن مزاحف

۱۳۸

یہ جلوے کا پردہ ہے جلوہ نہیں ہے — نظر نے جو دیکھا ہے دیکھا نہیں ہے
اُسے کوئی حق زندگی کا نہیں ہے — جو کافر محبت میں مرتا نہیں ہے
مری زندگی سے عبارت ہے دُنیا — اگر میں نہیں ہوں تو دُنیا نہیں ہے
ترا جلوہ بے پردہ دیکھا ہو جس نے — اُسے آج تک ہم نے دیکھا نہیں ہے
کہاں تک محبّت سے دل کو بچائے — بشر آدمی ہے فرشتہ نہیں ہے
مجھے بے قراری کا طعنہ نہ دیجئے — مرا دل ہے پتھر کا ٹکڑا نہیں ہے
سُنا ہے کچھ اس رنگ سے ذکرِ موسیٰ — کہ دل کو مجالِ تمنّا نہیں ہے
کہاں اُن کے جلوے کہاں میری آنکھیں — مگر کیا کروں دل شکیبا نہیں ہے

وہ محشر اُٹھائے ہیں میں نے کہ حیرتؔ
کسی اور کا یہ کلیجا نہیں ہے

•

بحر متقارب سالم مثمن

(۱۳۹)

حیرت جو ریاکاری ہیں بدنام بہت ہے
خوش فکر و خوش اوقات و خوش انجام بہت ہے

آسانیٔ مشکل کے لئے دونوں جہاں میں
اے میرے خدا صرف ترا نام بہت ہے

ہو جاتی ہے دن بھر کی خلش دل سے فراموش
میرے لئے تھوڑی بھی سرِ شام بہت ہے

اس وقت کہیں اور بھی جانا ہے ضروری
محفل کے علاوہ بھی مجھے کام بہت ہے

رندوں نے بھی اک خلد بنا لی ہے زمیں پر
اُس خُلد میں پابندیٔ احکام بہت ہے

کرتا ہے وہ اک تلخ دوا ہی سے مداوا
جس پر اثر تلخیٔ ایّام بہت ہے

تربیت کا پجاری کوئی مورت کا پجاری
لوگوں میں پرستاریٔ اوہام بہت ہے

کیا فرض ہے تقصیر کہ اب بھی پئے تعزیز
ہستی کا مرے سر ہے جو الزام بہت ہے

بے قتل ہوئے ہم نہ کہیں گے اُسے قاتل
گو شہر میں یہ جھوٹی خبر عام بہت ہے

ایسے بھی ہیں آرام میں تکلیف ہے جن کو
اک ہم ہیں کہ تکلیف میں آرام بہت ہے

مفہوم سے محروم ہو اور وزن سے آزاد
کہتے ہیں کہ اُس نظم میں ابہام بہت ہے

کم بخت گنہ گار نبی ہے نہ ولی ہے
حیرت کی مگر شہرتِ الہام بہت ہے

•

بحر ھزج مثمن مزاحف

تسخیر میں زمیں بھی ہے آسماں بھی ہے
آخر تری نظر سے کسی کو اماں بھی ہے

واعظ کا ڈر بھی ہیبتِ پیرِ مغاں بھی ہے
توبہ بھی میرے لب پہ ہے رطلِ گراں بھی ہے

دَیر و حرم میں صومعہ و خانقاہ میں
تُو ماورائے فکر و نظر ہے جہاں بھی ہے

کچھ اُن کے خد و خال بھی ہیں جاذبِ نظر
کچھ رنگِ حسن کاریِ صورت گراں بھی ہے

مانا کہ میری روح مدینے کی ہے، مگر
پیکر پہ حقِ مادرِ ہندوستاں بھی ہے

کچھ ہے مرا کلام بھی رنگیں و دل نشیں
کچھ حسنِ التفاتِ دلِ دوستاں بھی ہے

حیرتؔ سخن میں دلکشیِ ذوقؔ کے سوا
رنگِ تغزلِ اسد اللہ خاں بھی ہے

•

بحر مضارع مثمن مزاحف

(۱۴۱)

اک مہ جبیں کے ہاتھ میں جام شراب ہے
مُٹھی میں ماہتاب کی آج آفتاب ہے

تیرا شباب مست ہے، تیری نگاہ مست
تو آدمی نہیں ہے مجسّم شراب ہے

شب بھر اُسی کی یاد ہے دن بھر اُسی کی دُھن
میرے لئے تو اُن کی جوانی عذاب ہے

مانا کہ دوسروں سے مخاطب ہیں وہ مگر!
ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم سے خطاب ہے

ہم سب سُنیں گے شوق سے فرمائے جائیے
خاموش آج سے دلِ حاضر جواب ہے

آئینہ چھوٹتا نہیں اب اُن کے ہاتھ سے
شاید کہ آمدِ عہدِ شباب ہے

کرتے ہیں زندگی کے عوض موت کو قبول
دیوانگانِ عشق کا اُلٹا حساب ہے

حیرت نظر کی حد سے پرے ہے حریم ناز
سوچو تو اک خیال ہے دیکھو تو خواب ہے

بحر مضارع مثمن مزاحف

وہ شعر دل نشیں جو لامکاں پرواز ہوتا ہے
اُسے اعجاز کہہ سکتے نہیں، اعجاز ہوتا ہے

اسیرانِ خرد اُس بزم کے اسرار کیا جانیں
جہاں ساقی تو کیا میخوار بھی اک راز ہوتا ہے

مری آواز سے ہی بام و در، خود بجنے لگتے ہیں
نہ کوئی نغمہ ہوتا ہے نہ کوئی ساز ہوتا ہے

زمانے بھر میں بدنامی، سرِ بازار رسوائی
محبت میں یہی سب سے بڑا اعزاز ہوتا ہے

وہ چلتے ہیں تو مہر و ماہ قدموں پر مچلتے ہیں
فلک بھی ایک اُن کا فرشِ پا انداز ہوتا ہے

زمیں بھی کانپتی ہے آسماں بھی چیخ اُٹھتے ہیں
کسی مجبور کا جب نالہ، بے آواز ہوتا ہے

ذرا فرہاد و مجنوں سے کہو خاموش ہو جائیں!
ہماری داستانِ شوق کا آغاز ہوتا ہے

کسی کا دم نکلتا ہے، نکلتا ہے کسی کا خم
کسی کی جان جاتی ہے کسی کا ناز ہوتا ہے

نکلتا ہے جنازہ دھوم سے جس روز عاشق کا
محبت ختم ہو جاتی ہے عشق آغاز ہوتا ہے

چھپانے سے کہیں چھپتا ہے ناسورِ نظر حسرت
نظر خاموش ہوتی ہے تو رخ غماز ہوتا ہے

●

بحر ہزج سالم مثمن

(۱۴۳)

وہ قاتل ہیں مگر صورت پری معلوم ہوتی ہے
قیامت ہے، قیامت آدمی معلوم ہوتی ہے

وہ شئے جو مجھ میں اکثر بولتی معلوم ہوتی ہے
اسی کی آج ساقی پھر کمی معلوم ہوتی ہے

زمیں کی فتنہ سازی آسماں کی شعلہ بارانی
نویدِ نوبہارِ زندگی معلوم ہوتی ہے

یہ کس رنگیں نوا کی آج رخصت ہے گلستاں سے
خموشی میں بھی جس کی نغمگی معلوم ہوتی ہے

دو عالم بھی میسر ہوں تو دل قانع نہیں ہوتا
اسی فطرت میں شانِ بندگی معلوم ہوتی ہے

تعین کے نقابوں میں، تجلّی کے حجابوں میں
خرد غلطاں، نظر الجھی ہوئی معلوم ہوتی ہے

عجب کیا ہے حدودِ عشق سے بھی آگے بڑھ جاؤں
طبیعت میں ابھی تک تشنگی معلوم ہوتی ہے

وہ منزل ہے خرد کے ارتقا کی آخری منزل
نظر کو جب خرد، دیوانگی معلوم ہوتی ہے

بہ جبرِ فصلِ گل، غم میں بھی غنچے مسکراتے ہیں
لہو روتا ہے دل، لب پر ہنسی معلوم ہوتی ہے

مرا کردار، میری روح، میرا دین ہے حیرتؔ
یہ رنگینی، جو میری شاعری معلوم ہوتی ہے

●

بحر ہزج سالم مثمن

نہیں قابو میں دل رہتا طبیعت آہی جاتی ہے
حسیں چہرے پہ آنکھوں کو محبت آہی جاتی ہے

حقارت سے اُسے تم لاکھ ٹھکرایا کرو لیکن
قدم چھولے کو رستے میں قیامت آہی جاتی ہے

جسے ملتی ہے عمر نوح موت آتی ہے اُس کو بھی
وہ ساعت ٹل نہیں سکتی وہ ساعت آہی جاتی ہے

خرد جاتی ہے اڑ کر چاند تاروں تک مگر گھا ہے
خرد کی راہ میں کم بخت قسمت آہی جاتی ہے

جوانی میں تو انساں بچ نہیں سکتا گناہوں سے
جوانی میں برو ئے کار فطرت آہی جاتی ہے

پڑا رہنے دو اک ناکارہ کو بھی اپنے کوچے میں
کبھی بیکار شئے کی بھی ضرورت آہی جاتی ہے

تعجب ہے کہ حیرتؔ جب خدا کو یاد کرتا ہوں
تصوّر میں بت کافر کی صورت آہی جاتی ہے

بحر ہزج سالم مثمن

جوانی رفتہ رفتہ حُسن میں ضم ہوتی جاتی ہے
قیامت ہے، قیامت قدِ آدم ہوتی جاتی ہے

اُدھر پیچیدہ اُن کی زلفِ پُرخم ہوتی جاتی ہے
ادھر مجھ سے مری تقدیر برہم ہوتی جاتی ہے

عجب کیا ہے کہ فرقِ ناظر و منظور مٹ جائے
تجلی بڑھتی جاتی ہے نظر کم ہوتی جاتی ہے

زمانہ چل رہا ہے اُن کی آنکھوں کے اشاروں پر
مکمل خود بخود تاریخِ عالم ہوتی جاتی ہے

جفا پرور جفا کم کر کہ اب تیری جفاؤں سے
وفا کیشوں کی حجت اور محکم ہوتی جاتی ہے

جہاں تک اپنی ہستی کو نمایاں کرتا جاتا ہوں
زمانے میں تری ہستی مُسلّم ہوتی جاتی ہے

کہیں بیمار کا مرنا بھی ناممکن نہ ہو جائے
محبّت زندگی کا جزوِ اعظم ہوتی جاتی ہے

بس، اے نامہرباں خوکردۂ جورِ تغافل بس
کہ اب تو زندگی اک مرگِ پیہم ہوتی جاتی ہے

مری ہستی کہ خود اک رازِ نامعلوم تھی حیرتؔ
وفورِ بےخودی سے اور مُبہم ہوتی جاتی ہے

●

بحر ہزج سالم مثمن

وہی تو حاصلِ صد روزگار گذری ہے
جو زندگی تری محفل میں یار گذری ہے

وہیں وہیں ہے خیاباں وہیں وہیں ہے بہشت
جہاں جہاں سے جہاں میں بہار گذری ہے

اسی زمیں پہ بہت ناشگفتہ غنچوں کی
تڑپ تڑپ کے شبِ انتظار گذری ہے

وہ ناسپاس ہیں جو زندگی سے ہیں بیزار
بڑے مزے میں ہماری تو، یار گذری ہے

کبھی مصیبت و غم میں بھی دل رہا ہے خوش
کبھی خوشی بھی طبیعت پہ بار گذری ہے

قیامتوں میں، حوادث میں، انقلابوں میں
ہماری زندگی مستعار گذری ہے

بہار آتی تو ویرانیاں نہیں ہوتیں
یہ ہے خزاں، جو بنامِ بہار گذری ہے

اُسے حسین نہ کہو اک جواں قیامت تھی
ابھی ادھر سے جو مستانہ وار گذری ہے

تمام رات مزے لوٹتے رہے جس کے
(وہ بات اَب اُنھیں کیوں ناگوار گذری ہے)

رہیں گے شان سے فردوس میں بھی حیرتؔ ہم
حیات جیسی یہاں باوقار گذری ہے

•

بحر مجتث مثمن

نظر ہے محوِ ساقی ہاتھ میں جامِ زر افشاں ہے
بہارِ عیش و مستی ہے وداعِ ہوش و ایماں ہے

کہاں اُن کی نگہ کی فتنہ سامانی کہاں محشر
نگاہِ فتنہ ساماں پھر نگاہِ فتنہ ساماں ہے

بہارِ جیب و داماں تھی بہار آئی نہ تھی جب تک
بہار آئی تو پھر دامن گریباں ہی گریباں ہے

الٰہی خیر ہو میرے چراغِ زیرِ دامن کی
کہ ہر طوفاں کا رُخ سوئے چراغِ زیرِ داماں ہے

عبارت ہوں میں اس مجموعۂ اجزائے ہستی سے
بکھر جائے تو عالم ہے سمٹ جائے تو انساں ہے

الٹ سکتا ہوں میں اس وقت نظمِ عالمِ ہستی
کہ میرے ہاتھ میں ساغر نہیں تقدیرِ دوراں ہے

سخن ور چُن رہے ہیں پھول اپنے اپنے دامن میں
کہ حیرتؔ آج محفل میں غزل خوان و گل افشاں ہے

بحر ہزج سالم مثمن

(۱۴۸)

محبت کے سوا کونین کی ہر چیز فانی ہے
محبت جاودانی تھی محبت جاودانی ہے

تجلی کس نے دیکھی ہے حقیقت کس نے جانی ہے
نظر عاجز ہے دل کو اعترافِ ناتوانی ہے

کوئی نسبت نہیں تیری جوانی سے قیامت کو
قیامت پھر قیامت ہے جوانی پھر جوانی ہے

گماں سے اس قدر برتر ہے فردوسِ جمال اُن کی
کہ اُن کو دیکھنے کی آرزو بھی بدگمانی ہے

نگاہِ شوق پر موقوف تھی دیدار کی حسرت
نگاہِ شوق ہی اب خود حجابِ درمیانی ہے

کسی کے دردِ الفت ہی سے آخر کیوں نہ ٹکرا دیں
محبت میں ہمیں جب قوتِ دل آزمانی ہے

فنا کے لطف اس کو ہر نفس میں کیوں نہ حاصل ہوں
بقدرِ انتظارِ مرگ جس کی زندگانی ہے

تری کافر جوانی کا یہ عالم ہے کہ کُل عالم
محبّت ہی محبت ہے جوانی ہی جوانی ہے

سخن میں بھی تجلّی ہے نگاہِ یار کی حیرتؔ
وہی جادو وہی مستی وہی آتش بجانی ہے

بحر ھزج سالم مثمن

۱۴۹

پھول پھول ہنستا ہے شاخ شاخ گاتی ہے
وہ چمن میں آتے ہیں یا بہار آتی ہے

اُن کی بے خیالی نے اب یہ کر دیا عالم
زندگی کے رونے پر موت مُسکراتی ہے

تم کبھی نہیں آتے جاتے تم کب آؤ گے
روز صبح آتی ہے روز شام آتی ہے

آدمی تکلّف سے آدمی نہیں بَنتا
آدمی کو الفت ہی آدمی بناتی ہے

زندگی سے ہم نے تو کوئی سُکھ نہیں پایا
جس کو راس آتی ہے اس کو راس آتی ہے

پُر فریب آنکھوں کی کچھ خطا نہیں حیرتؔ
آپ کی طبیعت ہی خود فریب کھاتی ہے

بحر مقتضب مثمن

(۱۵۰)

پردے میں حُسنِ یار نہیں ہے
دل ہی مگر بیدار نہیں ہے

بزم تو ہے صد حشر بدامن!
عشق برُوئے کار نہیں ہے

راحتِ بے تغییر بھی ہے غم
غم سے مفر زنہار نہیں ہے

ایک نظر میں دل پہ قیامت
تیر نہیں تلوار نہیں ہے

وقت کی رنگینی پہ نہ جانا
وقت کسی کا یار نہیں ہے

زیست بشرطِ عشق ہے مشکل
مرگ مگر دشوار نہیں ہے

اور گھڑی بھر ٹھیر مسافر
راہ ابھی ہموار نہیں ہے

دل کو بچانا اُن کی نظر سے
قاتل ہے بیمار نہیں ہے

شورِ طلب ہے عشق کی فطرت
صبر و سکوں درکار نہیں ہے

سلسلۂ تجدید ہے جاری
جلووں میں تکرار نہیں ہے

ہے مرے دل کی جان محبّت
دل پہ محبّت بار نہیں ہے

غم بھی ہے لیکن عیش سے بڑھ کر
مرحلۂ دشوار نہیں ہے

آگ لگے کیا بزم میں حیرتؔ
شعلہ فشاں گفتار نہیں ہے

●

بحرِ متدارک مثمن مزاحف

۱۵۱

اَدا اَدا نفَس نفَس نظَر نظَر شَراب ہے
وہ بُت زِ فرقِ تا قدم تمام تر شراب ہے

تری متاعِ زندگی ہے کائناتِ سیمُ و زَر
مری متاعِ زندگی پیالہ بھر شراب ہے

فقیر ہوں تواضعِ جنابِ شیخ کیا کروں!
جو ماحضر قبول ہو تو ماحضر شراب ہے

بدورِ انقلاب بھی تری دُعا سے ساقیا
عروج پر ہیں میکدے بہار پر شراب ہے

مرے حبیبِ مہ جبیں یہ ساغرِ زُمرّدیں
نہ دے اگر گلاب ہے پلا اگر شراب ہے

بجا کہ ہے وہ آبِ شر خرد رُبا و فتنہ گر
وہ تیز و تند و تلخ تر سہی مگر شراب ہے

مرا مرض، مری دوا، مری فنا، مری بقا
ہر اک سوال کا جواب مختصر شراب ہے

یہ ارمغانِ خلد ہے اِسے نہ پھینک محتسب،
ارے خدائے پاک کے غضب سے ڈر شراب ہے

تری نگاہ ناز تک شراب کا گذر نہیں
تری نگاہِ ناز کی نظر گذر شراب ہے

تلاطم نگاہِ بادہ آفریں میں غرق ہوں
گلے گلے سُرور ہے کمر کمر شراب ہے

تری غزل سے حیرت آج رقص میں ہیں بام و در
تری غزل ترا کلام پُر اثر شراب ہے

●

بحر ہزج مثمن مزاحف

(۱۵۲)

نئے فتنے اٹھانے انقلابِ بحر و بر کرتے
وہ آتے ہیں نظامِ دہر کو زیر و زبر کرتے

کفایت ایک ہی آنسو پہ کی اور ہو گئے رخصت
ہم اپنی داستاں آخر کہاں تک مختصر کرتے

جو اُن کی نرگسِ مخمور کا دیدار ہو جاتا
انہیں آنکھوں سے ہم بھی سیرِ دنیا رو گر کرتے

ہم آئے ہیں نئی دنیا سے جانا ہے نئی دنیا
جہانِ رنگ و بو میں بھی نکل آئے سفر کرتے

دلِ خوں گشتہ کی رودادِ رنگیں کہہ تو دوں لیکن
مری ہمت نہیں اون کی نگاہوں پر نظر کرتے

خبر ہوتی کہ دل خود جلوہ گاہِ خاص ہے اونکی
تو پھر حیرت ہم اون کی جستجو کیوں دربدر کرتے

بحر ہزج سالم مثمن

۱۵۳

آنکھوں میں کشش، حُسن میں تسخیر نہیں ہے
تصویر تری، اب تری تصویر نہیں ہے

پیروں میں جو انسانوں کے زنجیر نہیں ہے
آزادیٔ انساں سے یہ تعبیر نہیں ہے

ہر مُرغِ چمن زاد برابر کا ہے حقدار
یہ باغ کسی ایک کی جاگیر نہیں ہے

گُل چیں ہو، کہ صیاد ہو، مجلس ہو کہ دستور
کیا چیز ہے، جو قابلِ تغییر نہیں ہے

تا حشر، تہی دست رہیں گے، وہ تہی مغز
جن کے کفِ تدبیر میں، تقدیر نہیں ہے

ہوتا ہے وہ آزادیٔ تخریب پہ مائل
حاصل جسے، آزادیٔ تعمیر نہیں ہے

طوق و رسن و دار میں ہے اب بھی گرفتار
وہ شخص، جو مستوجبِ تعزیر نہیں ہے

بجلی سی رگ و پے میں تڑپنے لگی، حیرت
جادو ہے، ستمگر، تری تقریر نہیں ہے

محررہ ۲ نومبر ۱۹۸۳

(۱۵۴)

OSMANIA UNIVERSITY
LIBRARY
HYDERABAD-1

ناؤ ڈوبی قریب ساحل کے
دشمنی ناخدا نے کی، رل کے

تم نے کیا کر دیا، خدا جانے
دل ہمارا رہا، نہ ہم دل کے

اپنی ہستی سے ہو چلا ہوں دُور
آ گیا ہوں، قریب منزل کے

دے رہے ہیں نظر کو دعوتِ دید
نو بہ نو رنگ تیری محفل کے

پھر کسی کی نظر نے چھیڑ دیا
زخم بھرنے نہ پائے تھے دل کے

بحر خفیف مسدس

(۱۵۵)

میری آنکھوں میں کہاں جرأتِ بینائی ہے
آپ کے حسن کی سب حوصلہ افزائی ہے

رشکِ خلد آج مرا گوشۂ تنہائی ہے
آپ آئے ہیں کہ جنت مرے گھر آئی ہے

ایک دنیا ہے کہ حیرت کی تماشائی ہے
یہ بھی اِک آپ کی تصویر کی رسوائی ہے

کچھ بُری بات نہیں، عرضِ تمنا، لیکن
اس میں ناموسِ غمِ عشق کی رسوائی ہے

ایسے ہم کون سے پتھر ہیں کہ اُف بھی نہ کریں
کون ہے، جس کو فضا عشق کی راس آئی ہے

عشق کی آگ ہے، یہ صاعقۂ طور نہیں
اور بھڑکائیے، جب آپ نے بھڑکائی ہے

بحرِ رمل مثمن مزاحف

(۱۵۶)

کہیں آئینے بھی قربان ہو جائیں نہ تم پر سے
کہ شرماتے ہو تم اپنے شبابِ ناز پرور سے
جوانی نے تمہیں تسخیر کے سانچے میں ڈھالا ہے
بہاروں نے سجایا ہے تمہیں پھولوں کے زیور سے
ثبوتِ آوارگیٔ عشق کا اب اور کیا دوں میں
بڑھائے ہوئے سر پا تک نکالے خارِ پا سر سے
بہار آنے تو دو صیاد کو بھی لے اڑوں گا میں
اسی بیکار بازو سے اسی ٹوٹے ہوئے پر سے

بحر ہزج سالم مثمن

۱۵۷

کہاں اب وہ رنگین زمانے ہمارے
جو اُٹھتی جوانی میں ہم نے گزارے
گل و شمع کو تم سے نسبت ہی کیا ہے
کہاں اِک حقیقت کہاں استعارے
یہ کون آرہا ہے جھکولے سے کھاتا
جوانی کی انگڑائیوں کے سہارے
وہ بزم تماشا میں کیا مسکرائے
برسنے لگے آسماں سے ستارے
جدھر مُڑ گئیں ان کی کافر نگاہیں
اُدھر مُڑ گئے انقلابوں کے دھارے

اُسی راہ پر چل رہا ہے زمانہ
وہ خود جس طرف کر رہے ہیں اشارے
تلاطم میں ٹکرا رہا ہے سفینہ
کبھی اِس کنارے کبھی اُس کنارے
محبت کی آگ اور بھڑکا رہے ہیں
یہ رنگیں مناظر یہ دِلکش نظارے
جنوں بھی مخالف خرد بھی ہے دشمن
الٰہی کہاں جائیں حیرت کے مارے

بحر متقارب سالم مثمن

۱۵۸

دِل کا نہ کرو ذکر خدا را مرے آگے
آ جاتی ہے اک درد کی دنیا مرے آگے

بے ہوش ہوں تاریک ہے دنیا مرے آگے
جلووں کا پڑا رہنے دو پردہ مرے آگے

کس دِل سے کروں آج فرشتوں کی خوشامد
کل تک یہ کیا کرتے تھے سجدہ مرے آگے

اس شان سے گرمِ سفر راہِ وفا ہوں
دنیا مرے پیچھے ہے تو عقبیٰ مرے آگے

آتا ہے جب اُن کے لبِ نازک پہ تبسم
فردوس کا کھنچ جاتا ہے نقشہ مرے آگے

تنویرِ سحر ہو کہ سوادِ شبِ دیجور
ہر رنگ میں تم ہوتے ہو گویا مرے آگے

اک کیفیتِ حیرتِ نظارہ ہے طاری
اس وقت نہ پردہ ہے نہ جلوہ مرے آگے

بحر ہزج مزاحف مثمن

۱۵۹

بلبلوں کو باغ میں آزاد ہونا چاہیئے
بند، رسمِ نالہ و فریاد ہونا چاہیئے
ایک ہی صف میں کھڑے ہو جائیں محمود و ایاز
اتحادِ نسلِ آدم زاد ہونا چاہیئے
تا کجا جنگ و بغاوت، تابہ کے بغض و عناد
اس کی کوئی حد، کوئی میعاد ہونا چاہیئے
آشیاں میں مطمئن ہوں طائرانِ ناتواں
دور دل سے دہشتِ صیاد ہونا چاہیئے
شیخ، مسجد میں رہے خوش، بتکدے میں برہمن
اپنے اپنے گھر میں سب کو شاد ہونا چاہیئے

ہند، پیارا ہے، تو پیارے کی خوشی کے واسطے
آج ہر مزدور کو فرہاد ہونا چاہیئے

کوئی فن ہو، کوئی صنعت ہو، مگر فنکار کو
اپنے فن و علم میں استاد ہونا چاہیئے

غیر ممکن ہے ترقی ملک کی، بے اشتراک
عام رسم باہمی امداد ہونا چاہیئے

حیرت اپنے ملک میں امن و حفاظت کیلئے
ہر جوان کو پیکرِ فولاد ہونا چاہیئے

بحر رمل مثمن مزاحف.

۱۶۰

حریم ناز کی چلمن اٹھائی جاتی ہے
نگاہِ شوق پہ بجلی گرائی جاتی ہے
قدم اٹھائیں تو کیا حشر ہو خدا جانے
نظر اٹھا کے قیامت اٹھائی جاتی ہے
تجھے جمالِ مجسم بنا رہا ہے شباب
بہار ہے کہ ترے رُخ پہ چھائی جاتی ہے
الٹ کے پردہ مرخ توڑ دے طلسم خرد
ہنسی مذاقِ جنوں کی اُڑائی جاتی ہے
خزاں سے کم نہیں جبرِ بہارِ گلشن میں
کلی جو خود نہیں ہنستی ہنسائی جاتی ہے
مجھے وہ بزم تماشا سے کیا اٹھاتے ہیں
جہاں سے رسمِ محبت اٹھائی جاتی ہے
گناہِ عشق کا مجرم بھی دل نہیں تم ہو
یہ آگ خود نہیں لگتی لگائی جاتی ہے
نگاہِ یار میں حیرت سما رہا ہوں
نگاہِ یار بھی مجھ میں سمائی جاتی ہے

بحر مجتث مثمن

۱۶۱

مدتوں حسن کے جلووں نے پکارا ہے مجھے
تب کہیں عشق نے دنیا میں اتارا ہے مجھے

لذت آگیں ہے بہت بادہ عشرت بھی مگر
ہائے وہ تلخی دوراں جو گوارا ہے مجھے

اے مرے پیارے وطن میرے دکن میرے چمن
عیش تو عیش ترا رنج بھی پیارا ہے مجھے

غیر تو کر نہ سکے جرأتِ بیداد مگر
دوستوں کے کرم و لطف نے مارا ہے مجھے

اپنے کس بل پہ بناتا ہوں میں اپنی دنیا
نہ بھروسہ ہے کسی کا نہ سہارا ہے مجھے

پہلی آواز پہ لبیک کہا ہے میں نے
جب کبھی فتنۂ دوراں نے پکارا ہے مجھے

چارہ سازوں کو لیے لوگ چلے آتے ہیں
اس کو لاتے نہیں جس شخص نے مارا ہے مجھے

میں نے رو رو کے زمانہ تو گزارا ہی نہیں
بلکہ رو رو کے زمانے نے گزارا ہے مجھے

آپ ہی کے لیئے جنت سے منگائی ہے شراب
میغرد شوں نے یہ کہہ کہہ کے ابھارا ہے مجھے

بحر رمل مثمن مزاحف

(۱۶۲)

ایسے رکوع وسجدہ کو شیخ، میرا سلام ہے
دل میں بتوں کی یاد ہے لب پہ خدا کا نام ہے

آج بساطِ دہر کا زیر و زبر نظام ہے
جبرِ خواص کے خلافِ ذہنیتِ عوام ہے

میرا خمیر ہے شراب، مشغلہ مدام ہے
جس کے لیے حرام ہے اس کے لئے حرام ہے

شام ادھر ہوئی شروع ہو گئے بادہ کش طلوع
میکدہ کی وہ صبح ہے، صومعہ کی جو شام ہے

پیرِ مغاں سنا کیا بادہ کشوں کی التجا
کاش وہ پوچھتا کہ کیا اور بھی کوئی کام ہے

دیکھیے تو کہ وہ کہیں حیرتِ مست تو نہیں
پاؤں میں لرزہ ہاتھ میں ساغرِ لالہ فام ہے

بحر مثمن مزاحف

OSMANIA UNIVERSITY
LIBRARY
HYDERABAD-7

(۱۶۳)

وہ قاتل ہیں مگر صورت پری ہے
قیامت ہے قیامت آدمی ہے

محبت موت ہے یا زندگی ہے
یہ اس کے دل سے پوچھو جس نے کی ہے

پری بھی دل رہا ہے حور بھی ہے
مگر یہ آدمی پھر آدمی ہے

کہاں تم اور کہاں یہ چاند سورج
تمہارے حسن کی بات اور ہی ہے

نہیں مرتے محبت کرنے والے
محبت زندگی ہی زندگی ہے

زمانہ کہہ رہا ہے رات کو دن
الٰہی دھوپ ہے یا چاندنی ہے

خوشی سے ہے مجھے منظور غم بھی
مرے غم سے اگر اُن کو خوشی ہے
خدا معلوم، کیا ہو عالمِ حُسن
حجابوں میں جب اتنی روشنی ہے
دمِ آخر ہے، دم بھر کو تو آجاؤ
کہ جاں آنکھوں میں آکر رک گئی ہے
یہ جادو حُسن کا اور یہ جوانی
تم آئے یا قیامت آگئی ہے
ہوئی محفل کی محفل محوِ حیرت
غزل گوئی بھی اِک جادوگری ہے

بحرِ ہزج مسدس مزاحف

(۱۶۴)

اُدھر پیچیدہ اُن کی زلف پر خم ہوتی جاتی ہے
اِدھر مجھ سے مری تقدیر برہم ہوتی جاتی ہے

زمانہ چل رہا ہے اُن کی آنکھوں کے اشاروں پر
مکمل خود بخود تاریخ عالم ہوتی جاتی ہے

عجب کیا ہے کہ فرقِ ناظر و منظور مٹ جائے
تجلی بڑھتی جاتی ہے نظر کم ہوتی جاتی ہے

جفا پرور جفا کم کر کہ اب تیری جفاؤں سے
وفا کیشوں کی ہمت اور محکم ہوتی جاتی ہے

جہاں تک اپنی ہستی کو نمایاں کرتا جاتا ہوں
زمانے میں تری ہستی مسلم ہوتی جاتی ہے

کہیں بیمار کا مرنا بھی ناممکن نہ ہو جائے
محبت زندگی کا جزوِ اعظم ہوتی جاتی ہے

بس اے نامہرباں خوگردۂ جورِ تغافل بس
کہ اب تو زندگی اک مرگِ پیہم ہوتی جاتی ہے

مری ہستی کہ خود اک رازِ نامعلوم تھی حیرت
وفورِ بیخودی سے اور مبہم ہوتی جاتی ہے

بحرِ ہزج سالم مثمن

(۱٦۵)

طبقۂ مستیٔ الست و دل مجھ میں اتنا جوش ہے
پاسِ ناموسِ محبت ہے کہ دِل خاموش ہے

حُسنِ مطلق کو ضرورت طور و موسیٰ کی نہیں
بے نیازِ شوق ہے بیگانۂ آغوش ہے

آپ خود ہی جان لیں گے مدعا میں کیا کہوں
ترجمانِ آرزو گویا لبِ خاموش ہے

میکشوں سے بیخودی کی کیفیت ساقی نہ پوچھ
تیری آنکھیں جانتی ہیں کس کو کتنا ہوش ہے

کہنے والے کہہ رہے ہیں اپنی اپنی داستاں
ایک حیرت ہے کہ اک آئینۂ خاموش ہے

بحر رمل مثمن مزاحف

(١٦٦)

ناوکِ ناز جو پیوستِ رگِ جاں ہو جائے
پھر تو ہر زخمِ جگر خلد بہ داماں ہو جائے

چارہ گر سا بھی نہ یارب کوئی ناداں ہو جائے
عشق بھی کیا کوئی مشکل ہے کہ آساں ہو جائے

اوس کو کس طرح جتاؤں نہ پشیماں کر دوں
جس کے گیسو کو نہ چاہوں کہ پریشاں ہو جائے

جذبۂ پرجوشِ جنوں اٹھ کہ بہار آئی ہے
گرم پھر معرکۂ دست و گریباں ہو جائے

حشر ہشیار کہ وہ فتنہ خرام آتا ہے
تیرا دامن نہ کہیں میرا گریباں ہو جائے

عشق کی ذرہ نوازی نے کیا خاک سے پاک
ورنہ کیا خاک کی ہستی تھی کہ انساں ہو جائے

ہجر میں موت سے امداد نہ چاہو حیرت
کہیں شیرازۂ غم بھی نہ پریشاں ہو جائے

۱۶۷

حریمِ ناز کی چلمن اٹھائی جاتی ہے
نگاہِ شوق پہ بجلی گرائی جاتی ہے
گناہِ عشق کا مجرم بھی دل نہیں تم ہو
یہ آگ خود نہیں لگتی لگائی جاتی ہے
قدم اٹھائیں تو کیا حشر ہو خدا جانے
نظر اٹھا کے قیامت اٹھائی جاتی ہے
تجھے جمالِ مجسم بنا رہا ہے شباب
بہار ہے کہ ترے رخ پہ چھائی جاتی ہے
الٹ کے پردۂ رخ توڑ دے طلسمِ خرد
ہنسی مذاقِ جنوں کی اڑائی جاتی ہے

خزاں سے کم نہیں جبرِ بہار گلشن میں
کلی جو خود نہیں ہنستی ہنسائی جاتی ہے

مجھے وہ بزمِ تماشا سے کیا اٹھاتے ہیں
جہاں سے رسمِ محبت اٹھائی جاتی ہے

نگاہِ یار میں حیرت سما رہا ہوں میں
نگاہِ یار بھی مجھ میں سمائی جاتی ہے

بحر مجتث مثمن

(۱۶۸)

اُدھر پیچیدہ اُن کی زلفِ پُرخم ہوتی جاتی ہے
اِدھر مجھ سے مری تقدیر برہم ہوتی جاتی ہے

زمانہ چل رہا ہے اُن کی آنکھوں کے اشاروں پہ
مکمل خود بخود تاریخ عالم ہوتی جاتی ہے

عجب کیا ہے کہ فرقِ ناظر و منظور اُٹھ جائے
تجلّی بڑھتی جاتی ہے نظر کم ہوتی جاتی ہے

جفا پرور جفا کم کر کہ اب تیری جفاؤں سے
وفا کیشوں کی محبت اور محکم ہوتی جاتی ہے

جہاں تک اپنی ہستی کو نمایاں کرتا جاتا ہوں
زمانے میں تری ہستی مسلّم ہوتی جاتی ہے

کہیں بیمار کا مرنا بھی ناممکن نہ ہو جائے
محبت زندگی کا جزوِ اعظم ہوتی جاتی ہے

بس اے نامہرباں خو کردۂ جور تغافل بس
کہ اب تو زندگی اک مرگِ پیہم ہوتی جاتی ہے

مری ہستی کہ خود اک رازِ نامعلوم تھی حیرت
وفورِ بیخودی سے اور مبہم ہوتی جاتی ہے

بحرِ ہزج سالم مثمن

وہ اک طوفاں جو اُٹھتا ہے کسی مجبور کے دِل سے
محبت بھی عبادت ہے اسی مفہومِ مشکل سے

ابھی چاہوں تو ساری بزم کو زیر و زبر کر دوں
انہی پُر درد نالوں سے اِسی ٹوٹے ہوئے دِل سے

ہجومِ شوق و فرطِ اضطراب و جوشِ وحشت میں
کہیں صحرا نورد آگے نِکل جائے نہ منزل سے

ہم اب اُن کے تغافل کو تغافل کہہ نہیں سکتے
کہ خود اُن کی نگاہیں کر رہی ہیں گفتگو دِل سے

محبت نے طبیعت کیا حقیقت ہی بدل ڈالی
کہ اب پہچانتا ہوں اپنی ہستی کو بھی مشکل سے

فنا ہے سب سے پہلا مرحلہ راہِ محبت کا
خدا جانے گزرنا ہے ابھی کتنے مراحل سے

کہو اہلِ وفا سے آئیں انجامِ وفا دیکھیں
اٹھائی جا رہی ہے لاش پروانے کی محفل سے

مری حالت بھی حیرت اُس مسافر کی سی حالت ہے
جو منزل پہ پہونچکر بے خبر ہو جائے منزل سے

بحرِ ہزج مثمن سالم

اُٹھا کے پردے دِکھا کے جلوے بپا کیا اِنقلاب تونے
گِرا دی اِک برق انجمن میں اُلٹ کے رُوخ سے نقاب تونے

سحر میں تو نور بنکے چمکا شفق میں تو رنگ بن کے بکھرا
دِکھائیں کیا کیا تجلیاں جلوہ حقیقت مآب تونے

کوئی کمی اب نہ رکھ اٹھا کر قیامتیں شوق سے بپا کر
کہ حُسنِ عالم فریب میں پھونکدی ہے روحِ شباب تونے

یہ نقش ہائے دوئی مٹا دے یہ پردہ ہائے خودی اٹھا دے
بنا لیا ہے خود اپنی ہستی کو درمیاں میں حجاب تونے

یہ اعتمادِ نمودِ ہستی یہ دعوٰی خویشتن پرستی
یہ ہوش کی گفتگو ہے حیرت کہ رات دیکھا ہے خواب تونے

بحرِ متقارب مزاحف مکرر

(۱۷۱)

ہم پھر سے جوانی کی تمنا نہیں کرتے
گزرے ہوئے دن لوٹ کے آیا نہیں کرتے

خورشید بصد جلوہ و تنویر ہے ضو ریز
ذرے ہی مگر کسبِ تجلا نہیں کرتے

پردے تری آنکھوں میں ہیں اے طالبِ دیدار
وہ پردہ بہ انداز ہیں پردا نہیں کرتے

رکھتے ہیں جو ہر لحظۂ امروز نظر میں
اندیشۂ تاریکیٔ فردا نہیں کرتے

کیوں آج بھی رسوا ہے ہماری ہی جوانی
خود شیخ بھی اس عمر میں کیا کیا نہیں کرتے

دلِ ہے پے دیدار محجمِ نگہِ شوق

تم جلوہ بعنوانِ تماشا نہیں کرتے

تم مجھ کو بُرا کہہ لو نہ مانوں گا بُرا میں

غالبؔ کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

کچھ دیکھ ہی پایا ہے ترے حسن میں اے دوست

ہم حور و پری بھی ہو تو سجدا نہیں کرتے

حیرت ہے امامِ ادب و مجتہدِ فن

جو اوس کے مقلد نہیں اچھا نہیں کرتے

۱۷۲

گردن بھی اُتر جائے تو پروا نہ کریں گے
گردن سے جدا طوقِ غلاما نہ کریں گے

برباد زر و زور کا بتخانہ کریں گے
سونے کے بتوں کی کبھی پوجا نہ کریں گے

محنت سے ہم اب خون پسینے کو ملا کر
یوں بادۂ گل رنگ مہیا نہ کریں گے

جس باغ کو مزدور نے سینچا ہے لہو سے
اُس باغ کو مزدور ہی ویرانہ کریں گے

رفتار سے طوفان تو گفتار سے محشر
آجائیں گے کرنے پہ تو کیا کیا نہ کریں گے

ذلت سے سر اپنا درِ منعم پہ جھکا کر
سرمایہ کی توقیر دوبالا نہ کریں گے

بے زر پہ ہو زردار کو محفل میں تفوق
معدوم، یہ تخیلِ غلامانہ کریں گے

۱۷۳

نہ منزل ہے نہ منزل کا نشاں ہے
بس اب تو ہی بتا دے تو کہاں ہے

چراغاں کر دیا ہے بجلیوں نے
حریمِ طور ہے یا آشیاں ہے

جمالِ بے تعین کیسا نظر آئے
نظر کی حد فاصل درمیاں ہے

محبت میں نہ آترا کوئی پورا
محبت امتحاں ہی امتحاں ہے

محبت کا پڑا ہے بار اتنا
کہ بو سے گل بھی اب دل پر گراں ہے

سمجھتا ہے تجھے کوئی محبت
کسی کو حسن پر تیرا گماں ہے

میں بوڑھا ہوں مگر جیرت طبیعت
جوانی سے زیادہ اب رواں ہے

۱۷۴

اک بجلی سی گر جاتی ہے اِک بادل سا چھا جاتا ہے
جب زلفوں کی دُھن لگتی ہے جب چہرے کا دھیان آتا ہے

دنیا میں مرنے جینے کی شادی نہ خوشی افسوس نہ غم
یہ ایک مسافر خانہ ہے اِک آتا ہے اک جاتا ہے

جس شاخ پہ بلبل گاتا ہے روتی ہے اُسی پہ شبنم بھی
اس گلشن کی ہے ریت یہی اِک روتا اِک گاتا ہے

تو مولا ہے میں بندہ ہوں تو لایا ہے میں آیا ہوں
تو دیتا ہے میں لیتا ہوں میں منگتا ہوں تو داتا ہے

اِک عالم میں کھو جاتا ہوں حیرت سے سب کو تکتا ہوں
یک لخت مجھے بیٹھے بیٹھے کیا جانیے کیا ہو جاتا ہے

۷۵

فتنے بیں پس کے جب اُٹھ جاتے ہیں ویرانوں سے
بن کے طوفان، وہ ٹکراتے ہیں، ایوانوں سے
اے جنوں، تیرے بدلتے ہوئے تیور کی قسم
آج لرزاں ہے خِرد بھی ترے دیوانوں سے
کیا کریں رِند، جو ساقی سے بغاوت نہ کریں
بُوئے تخصیص جب آنے لگے میخانوں سے
بُجھ بھی سکتی ہے ہوائے پرِ پروانہ سے لو
شمع کو بَیر مناسب نہیں پروانوں سے
دُشمنی کا بھی سلیقہ نہیں، اُلفت تو کُجا
آج بیزار ہے انسانیت، اِنسانوں سے
دیکھنے والے، خدا کے لئے اِنصاف کریں
بُوئے خُوں آتی ہے، کس قوم کے افسانوں سے
جلوہ گر ہونے کو ہے مہرِ درخشانِ حیات
اُفقِ شرق کے تاریک شبستانوں سے
اب یہ طے ہے کہ بچانا ہی پڑے گی کشتی
ایک طوفان ہے کیا، سیکڑوں طوفانوں سے
خُسروِ مملکتِ علم و ادب ہوں حسرت
مجھ کو کیا کام، حکومت کے قلم دانوں سے

▲

بحرِ رمل مثمن مزاحف

(۱۷۶)

نہ استبدادِ گل چیں پر، نہ جورِ باغباں پر ہے
چمن بندی، چمن زادوں کے آہنگِ جواں پر ہے
چمن ہے پیکرِ بے روح و طائر، روحِ بے پیکر
چمن کی زندگی موقوف، ربطِ جسم و جاں پر ہے
نگاہِ نازنے، دل سے اشاروں میں کہا تھا کچھ
تعجب ہے وہ راز، اب ساری دُنیا کی زباں پر ہے
مسلسل ہو رہی ہے کش مکش، زور آزماؤں میں
مگر اِس کش مکش کا فیصلہ ہندوستاں پر ہے
نگاہوں کو غلط سمجھوں کہ باتوں کو غلط مانوں
نظر اِنکار کرتی ہے جو کچھ اُن کی زباں پر ہے
غریبوں کے یہاں پستی، امیروں کے یہاں مستی
وہاں اُس کو نہ ہونا چاہیئے جو شئے جہاں پر ہے
قیامت ہے کہ ہم ہیں بے خبر اپنے نشیمن سے
نظر سارے زمانے کی ہمارے آشیاں پر ہے
وفاداری میں ہم تو دین و دُنیا سے گئے گذرے
مگر اب بھی نگاہِ دوست، مائلِ امتحاں پر ہے
جب اپنا کارواں لُٹوا دیا خود رہنماؤں نے
اب اپنی ذمہ داری ہر رفیقِ کارواں پر ہے
وہ مے خواروں کا ہے مجرم وہ مے خانہ کا ہے باغی
عقیدہ آج بھی جس رِند کا پیرِ مغاں پر ہے

مری جادُوگری کا رُعب ہے اہلِ سیاست پر
جو نیتاؤں کے دل میں ہے وہ حیرتؔ کی زباں پر ہے

بحر ہزج مثمن سالم

(۱۶۷)

آپ کے دَر سے نہ اُٹھنا تھا، نہ ہم خودسر اُٹھے
وقت بدلے، انقلاب آتے رہے، محشر اُٹھے
تیری آنکھوں نے تو کایا ہی پلٹ دی بزم کی!
سیکڑوں اُٹھ کر گرے اور سیکڑوں گِر کر اُٹھے
بسملوں کو مار کر، کیا تیر مارا آپ نے
بات تو جب ہے کہ مُردہ قبر سے جی کر اُٹھے
حُسن کی بیداد سے یا عِشق کی فریاد سے
دیکھنا یہ ہے کہ کِس کے زور سے محشر اُٹھے
تیرے دَر پہ مَیں تو آ کر پڑ گیا سو پڑ گیا
تُو ہی ٹھوکر سے اُٹھا لے اب تو یہ پتھر اُٹھے
چل سکا حیرتؔ نہ مجھ پر، حُسن کا جادُو کبھی،
میرا دل لینے کو کیسے کیسے جادُوگر اُٹھے

بحرِ رمل مثمن مزاحف

(۱۶۸)

خزاں ہی خُوب تھی، ایسی بہار رفتہ نہ حاصل سے
بہار آئی تو گلشن ہو گیا خالی عنادل سے
سلام، اُن ڈُوبنے والوں پہ، اُن کی پاک رُوحوں پر
سفینہ جن کے ٹکڑے ہو گیا، ٹکرا کے ساحل سے

سلام، اُن کشتگانِ جنگِ آزادی کی رُوحوں پہ
وطن کی راہ میں مارے گئے جو دستِ قاتل سے
خدا چاہے تو اِک دن سحرِ باطل توڑ ڈالوں گا
اِنہی خُوں بار آنکھوں سے، اِسی ٹُوٹے ہوئے دِل سے
ابھی تو ابتدائی مرحلہ ہے، راہِ اُلفت کا
خدا جانے گزرنا ہے ابھی کتنے مراحل سے

۱۴۹ — بحرِ ہزج مثمن سالم

فن داں، کبھی فنکار کو رُسوا نہیں کرتے
(غالب کو بُرا کہتے ہو، اچھا نہیں کرتے)
ہم پھر سے جوانی کی تمنّا نہیں کرتے
گُذرے ہوئے دِن لَوٹ کے آیا نہیں کرتے
بدنام ہے، میری ہی گُنہ گار جوانی
خود شیخ بھی اِس عمر میں کیا کیا نہیں کرتے
میخانۂ ساقی میں نکلتا ہی نہیں دن
میکش کبھی اندیشۂ فردا نہیں کرتے
کچھ دیکھ ہی پایا ہے ترے حُسن میں اے دوست
ہم حور و پَری بھی ہو تو سجدہ نہیں کرتے
ممکن ہے کبھی پُرسشِ بیمار کو آ جائیں
اچھا ہے، مسیحا مجھے اچھا نہیں کرتے
حیرت ہے یہ ہوائیں، یہ گھٹائیں، یہ بہاریں
اک جشنِ مے و ساغر و مینا نہیں کرتے — بحرِ ہزج مثمن ہزاحف

(۱۸۰)

تم کو خود پردہ سے اب باہر نکلنا چاہیئے
ظلمتِ شب کو اُجالوں سے بدلنا چاہیئے

زندگی کو وقت کے سانچوں میں ڈھلنا چاہیئے
وقت کو میرے اشاروں پر بدلنا چاہیئے

عشق کہتا ہے نئی راہیں، نئی منزل نکال
عقل کہتی ہے کہ سب کے ساتھ چلنا چاہیئے

دیکھتی ہے اور ہی نظروں سے اب دُنیا تمہیں
بے حجابی سے نہ یُوں باہر نکلنا چاہیئے

غیر ممکن ہے مفر، پروانہ ہو یا شمع ہو !!
آگ سے کھیلیں تو پھر دونوں کو جلنا چاہیئے

چشمِ بد دُور، اب تو نیرنگ آفریں ہے ہر ادا
ہر ادا میں اِک نیا عالم نکلنا چاہیئے

انقلاباتِ جہاں سے میکشوں کو کیا غرض
رند جب تک ہیں تو ساقی دَور چلنا چاہیئے

بھیرویں کے وقت حیرت سوہنی کی دُھن نہ گا !
وقت بدلا ہے تو نغمہ بھی بدلنا چاہیئے

بحر رمل مثمن مزاحف

(۱۸۱)

دی ہے ہجومِ ظلمتِ شب نے خبر مجھے
آواز دے رہی ہے اُفق سے سحر مجھے

رکھنا تھا ذوقِ دید سے محروم اگر مجھے
دوزخ میں ڈال دیتے نہ دیتے نظر مجھے
محسوس ہو رہی ہے فضائے بسیط میں
پھر بوئے مست موسمِ دیوانہ گر مجھے
کرنا پڑے گا زاغ و زغن سے بھی اشتراک
تنظیمِ لالہ زار کے پیشِ نظر مجھے
صورت نقاب میں ہے، تجلّی حجاب میں
پھر کس کی دید کے لئے دی تھی نظر مجھے
تیری تجلّیات ہیں آزاد و بے پناہ
گھیرے ہوئے ہیں تیری حدودِ نظر مجھے
حیرت، یہ زور و شور، یہ طوفاں یہ زلزلے
پھر دے رہے ہیں دعوتِ فکر و نظر مجھے

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف

(۱۸۲)

چشمِ ساقی کی مہربانی سے
آگ لگتی ہے سرخ پانی سے
حشر کو ہار ماننی ہی بنی
تیری بڑھتی ہوئی جوانی سے
سابقہ ہر چمن کو پڑتا ہے
انقلاباتِ درمیانی سے

نگہِ ناز کے اشاروں میں
جھلملاتے ہیں کچھ معانی سے
ہے دکن سے یہ ربط اُردو کو
ہو جو رانی کو راجدھانی سے
غالبؔ و میرؔ مرگئے حسرتؔ!
دفعتہً انتقالِ فانیؔ سے

بحر خفیف مسدس مخبون

(۱۸۴)

بے رُخی سے جفا ہی بہتر ہے
اِک توجہ تو اُن کی مجھ پر ہے
میرے غم سے بھی ٹس سے مس نہ ہُوا
آدمی تُو نہیں ہے پتھر ہے
جس نے دُنیا و دیں کو لُوٹ لیا
کیا بتاؤں وہ کون کافر ہے
دِل نہ توڑو کہ دِل ہے بیتُ اللہ
دِل نوازی تو حجِ اکبر ہے
میری آنکھوں میں اشک ہے پانی
تیرے دامن میں ہے تو گوہر ہے
ہر بُرائی مجھ ہی سے ہے منسُوب
اُن کو میرا ہی نام ازبر ہے

دو دلوں میں جو راز تھا کل تک
اب وہی داستان گھر گھر ہے
آدمی تم بھی آدمی ہم بھی!
آدمی آدمی برابر ہے
زخم دل کو نظر سے چھیڑ جاؤ
ہائے کتنا حسین نشتر ہے
اُن کی ٹھوکر کہاں، کہاں محشر!
اُن کی ٹھوکر پھر اُن کی ٹھوکر ہے
ہے تغافل بھی اُن کی ایک ادا
یہ ادا بھی کسے میسر ہے
دل ہے شفاف آئینہ، حیرت
عکس اندر ہے، اصل باہر ہے

بحر خفیف مسدس مزاحف

آئینے میں اپنا ہی چہرا نظر آئے گا
کیا کیا نظر آیا ہے کیا کیا نظر آئے گا

حیرتؔ بدایونی

OSMANIA UNIVERSITY
LIBRARY
HYDERABAD-7